11
ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول
یا من ولادت فاشرقت بربوعنا ... نفحات نورك وانجلی الاظلام
محمد رسول الله

فہرست مطالب

اداریہ: رسول اللہؐ تبلیغی سیرت پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت	3
تبلیغ اسلام کا آغاز اور ایمان ابو طالب (ع)	5
قرآن اور تبلیغ (۷)۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مبلّغ کی صفات (۲)	12
جانشین رسولؐ کا طریقہ تبلیغ	21
میراث رسولؐ ۔ نبی اکرمؐ کی دعائیں اور کچھ حکمت آمیز کلمات	25
افکار رہبر؛ پیغمبر اسلامؐ ،ایک ہمہ گیر اور جامع شخصیت	32
عید میلاد النبیؐ کے تقاضے	36
نبوت حضرت محمد مصطفیؐ	41
تاریخ اسلام کے اہم واقعات	49
انسان کو پیغمبرؐ کی ضرورت	60
پیغمبر اکرمؐ کی حاکمیت از نظر قرآن	66
سیرت مرسل اعظمؐ، نہج البلاغہ کے آئینہ میں	81
عصمت پیغمبرؐ پر قرآنی شواہد	94
رسول خداؐ کے آداب	102

اداریہ

رسول اللہؐ تبلیغی سیرت پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت

ماہ ربیع الاول، رسول اللہؐ کی ولادت باسعادت کا مہینہ ہے جو جہاں عاشقان رسول اللہؐ کے لئے خوشی وانبساط کا موقع فراہم کرتا ہے وہاں سیرت رسول اللہؐ پر عمل پیرا ہونے کی بھی دعوت دیتا ہے۔ رسول اکرمؐ کا حقیقی میلاد تو اسی صورت منایا جاسکتا ہے جب پوری دنیا میں عاشقان رسول اللہؐ سیرت رسول اللہؐ پر عمل پیرا ہوتے نظر آئیں گے۔ سیرت رسول اللہؐ پر عمل اُسی صورت میں ممکن ہے جب رسول اللہؐ کی سیرت اور تعلیمات درست انداز میں اُمت رسول اللہؐ تک پہنچائی جائیں گی۔ سیرت رسول اور تعلیمات النبیؐ کو عوام الناس تک پہنچانا، مبلغین اسلام کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ حقیقی مبلغ اسلام وہی شخص ہے جو خود بھی سیرت رسول اللہؐ پر گامزن ہو اور دوسروں تک بھی پیغام سیرت ابلاغ کرے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تبلیغ اسلام جہاں عظیم فریضہ ہے وہاں سخت ترین ذمہ داری بھی ہے۔ کیونکہ اسلام کا حقیقی مبلغ وہی ہے جو رسول اللہؐ کے راستے پر گامزن ہو اور دوسروں کو بھی اس مقدس راستے پر چلانے کی تڑپ رکھتا ہو۔ خود رسول اللہؐ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تبلیغ اسلام پر مامور تھے اور آپؐ نے چالیس سال کی عبادت اور تہذیب نفس کے بعد یہ عظیم ذمہ داری اپنے دوش مبارک پر لی تھی اور پوری قوم سے صادق اور امین کی سند حاصل کرنے کے بعد تبلیغ اسلام کی دعوت کا آغاز کیا تھا۔ رسول اللہؐ کی صداقت اور امانت پر قوم قریش کے فرد فرد کو یقین کامل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپؐ نے قریش کے سامنے فرمایا: اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر کھڑا ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات کو قبول کرلوگے، سب نے مل کر کہا جی ہاں ؛چونکہ آپؐ صادق اور امین ہیں۔ رسول اللہؐ کی صداقت اور امانتداری پر یقین کامل کے باوجود جب رسول اللہؐ نے اللہ کا پیغام انہی لوگوں تک پہنچانا شروع کیا اور قریش کو بتوں کی پرستش سے منع کرکے حقیقی رب العالمین کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی دعوت دی تو آپؐ پر مصائب ومشکلات کے پہاڑ ڈھائے جانے لگے چونکہ رسول اللہؐ کی یہ دعوت اُن لوگوں کے نفس کے خلاف تھی اور آپ اُنہیں اپنے نفس کے خلاف قیام کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ لہٰذا دیکھا جائے تو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی دعوت درحقیقت نفسانی خواہشات کے خلاف قیام کرنے کی دعوت ہے جس کو قبول کرنا اہل دنیا کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسی لئے تبلیغ اسلام کی ذمہ داری انتہائی سخت اور دشوار ہے۔ اس ذمہ داری کو وہی شخص پورا کرسکتا ہے جو تہذیب نفس کے مراحل سے گذر چکا ہو۔ دین اسلام کی تبلیغ سنت رسول اللہؐ ہے۔ جب تک رسول اللہؐ کی سیرت اور طریقے پر انسان خود نہ چلے وہ دوسروں کو اس پر چلنے کی دعوت نہیں دے سکتا۔

حقیقی مبلغ اسلام وہی ہے جو سب سے پہلے خود سیرت رسول اللہؐ پر عمل پیرا ہو اور پھر دوسروں کو اس کی دعوت دے۔ رسول اللہؐ کی تبلیغی سیرت کچھ ایسی خصوصیات رکھتی ہیں جن پر عمل کیئے بغیر کوئی بھی مبلغ کامیاب نہیں ہوسکتا ہے جن میں ایک، صبر واستقامت ہے دوسری نرمی اور محبت ہے اور تیسری شرح صدر ہے۔ رسول اللہؐ کی حیات طیبہ اور سیرت میں یہ تین صفات ایسی ہیں کہ جن کا اعتراف دوست ودشمن نے کیا ہے۔ اگر یہ تین خصوصیات نہ ہوتیں تو تبلیغ اسلام ناممکن ہو جاتی ۔ پیغمبرؐ نے تبلیغ اسلام کے دوران کمال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا ہے جس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ جسمانی اذیتوں سے لیکر روحانی اذیتیں تک دی گئی ہیں لیکن آپؐ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے بعد لوگوں کے ساتھ محبت اور نرمی میں بھی آپؐ جیسا کوئی اور نہیں ملے گا۔ دوست تو دوست، دشمنوں سے بھی محبت اور نرمی کا سلوک کرنا آپؐ کا شیوہ تھا جس کی سیرت کی کتابوں میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ شرح صدر اور کھلے دل کے ساتھ لوگوں کا استقبال کرنا اور اُن کی ہدایت اور راہنمائی کا فریضہ ادا کرنا بھی آپؐ کی سب سے بڑی صفت تھی۔ اگر آپؐ میں شرح صدر نہ ہوتی تو بہت جلد لوگ آپؐ سے دور ہو جاتے۔ سیرت کے

واقعات سے پتا چلتا ہے کہ آپؐ ہر ایک شخص کا کھلے دل سے استقبال فرماتے تھے اور کبھی بھی اپنا دل تنگ نہیں کرتے تھے۔اور یہ تینوں صفات آپؐ نے قرآن مجید کی تعلیمات سے اخذ فرمائی تھیں :قرآن صبر واستقامت کے بارے میں آپؐ کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے :''فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ ''یعنی پس آپ استقامت دکھایئے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے۔[1]اسی طرح نرمی اور محبت کے بارے میں حکم ملتا ہے : '' فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ''یعنی ؛(اے حبیبِ والا صفات !) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے، سو آپ ان سے در گزر فرمایا کریں اور ان کے لئے بخشش مانگا کریں۔[2]اسی طرح آپ کی شرح صدر کے بارے میں قرآن فرماتا:'' أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ''[3]؛ کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ (انوارِ علم وحکمت اور معرفت کے لئے) کشادہ نہیں فرمادیا۔

شریعت اسلام اور دینی تعلیمات کی تبلیغ کے لئے مذکورہ صفات پیدا کئے بغیر کوئی بھی شخص کامیاب مبلغ نہیں بن سکتا۔لہٰذا تمام مبلغین اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ تبلیغ اسلام میں خاص توفیقات حاصل کرنے کے لئے سیرت رسول اللہؐ کے ان پہلوؤں پر غور وفکر کریں اور عوام الناس کے دلوں میں اسلامی تعلیمات اور شرعی احکام کو راسخ کرنے کی خاطر صبر واستقامت ،نرمی ومحبت اور کامل شرح صدر کے ساتھ تبلیغی فریضہ انجام دیں۔جس کے بعد یقیناً سنگ دل ترین لوگ آپ کی تبلیغ سے بہرہ مند ہونے شروع ہو جائیں گے جیسا کہ رسول اللہؐ نے انہی صفات کے ذریعے قریش کے سنگ دل ترین افراد کو خاضع ترین افراد میں تبدیل کر دیا تھا۔

ماہ ربیع اولال سیرت رسول اللہؐ کی بہار کا مہینہ ہے جس میں نثر ونظم میں سیرت رسول اور صفات رسول اللہؐ کے تذکرے ہوتے ہیں۔لیکن یہ تذکرے فقط قلم وبیان تک ہی محدود نہیں ہونے چاہییں بلکہ عملی میدان میں بھی سیرت رسول اللہؐ جلوہ گر ہونی چاہیے تاکہ سیرت رسول اللہؐ کو بیان کرنے کا فلسفہ پورا ہو سکے جو مسلمانوں کے درمیان عملی انقلاب برپا کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

'' تبلیغ ''کا یہ شمارہ ماہ ربیع الاول میں شائع ہو رہا ہے لہٰذا ہم نے سعی کی ہے کہ اس میں سیرت رسول اللہؐ سے متعلق زیادہ سے زیادہ مطالب دیئے جائیں تاکہ مبلغین عظام اس سے بہتر استفادہ کر سکیں۔اس میں ایسے مقالات کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں آپؐ کی سیرت کو بہتر انداز میں اُجاگر کیا گیا ہے۔اُمید ہے محترم مبلغین پہلے کی طرح اس شمارے سے پوری طرح استفادہ فرمائیں گے اور اس سلسلے کو مزید بہتر بنانے کے لئے اپنی قیمتی آراء سے ہمیں آگاہ کریں گے۔

---

[1]۔ سورہ ھود، آیت ۱۱۲

[2]۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹

[3]۔ سورہ الانشرح، آیت ۱

تبلیغ اسلام آغاز اور ایمان ابو طالب (ع)

تفسیر نمونہ کا موضوعی مطالعہ

تاریخ اسلام کی رو سے آنحضرتؐ کو بعثت کے تیسرے سال اس دعوت کا حکم ہوا کیونکہ اب تک آپ کی دعوت مخفی طور پر جاری تھی اور اس مدت میں بہت کم لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی "وانذر عشیرتك الاقربین" ۔۱

اور یہ آیت بھی " فاصدع بما تومرواعرض عن المشرکین"(۲)

تو آپ کھلم کھلا دعوت دینے پر مامور ہوگئے اس کی ابتداء اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرنے کا حکم ہوا_
اس دعوت اور تبلیغ کی اجمالی کیفیت کچھ اس طرح سے ہے :
آنحضرتؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو جناب ابوطالب کے گھر میں دعوت دی اس میں تقریباً چالیس افراد شریک ہوئے آپ کے چچاوں میں سے ابوطالب، حمزہ اور ابولہب نے بھی شرکت کی ۔ کھانا کھالینے کے بعد جب آنحضرتؐ نے اپنا فریضہ ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تو ابولہب نے بڑھ کر کچھ ایسی باتیں کیں جس سے سارا مجمع منتشر ہوگیا لہذا آپ نے انھیں کل کے کھانے کی دعوت دے دی _

دوسرے دن کھانا کھانے کے بعد آپ نے ان سے فرمایا: '''اے عبدالمطلب کے بیٹو: پورے عرب میں مجھے کوئی ایسا شخص دکھائی

نہیں دیتا جو اپنی قوم کے لیے مجھ سے بہتر چیز لایا ہو، میں تمہارے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمھیں اس دین کی دعوت دوں، تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین ہو''؟ سب لوگ خاموش رہے سوائے علی بن ابی طالب کے جو سب سے کم سن تھے، علی اٹھے اور عرض کی: '''اے اللہ کے رسول اس راہ میں میں آپ (ص) کا یار و مددگار ہوں گا''
آنحضرت (ص) نے اپنا ہاتھ علی (ع) کی گردن پر رکھا اور فرمایا:
'''ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوہ''_ یہ (علی (ع)) تمہارے درمیان میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین ہے اس کی باتوں کو سنو اور اس کے فرمان کی اطاعت کرو_ یہ سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور تمسخر آمیز مسکراہٹ ان کے لبوں پر تھی، ابوطالب (ع) سے سے کہنے لگے،

....

(1) سورہ شعراء آیت 214 (2) سورہ حجرات آیہ 94

''اب تم اپنے بیٹے کی باتوں کو سنا کرو اور اس کے فرمان پر عمل کیا کرنا_''۳

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ ان دنوں کس حدتک تنہا تھے اور لوگ آپ کی دعوت کے جواب میں کیسے کیسے تمسخر آمیز جملے کہا کرتے تھے اور علی علیہ السلام ان ابتدائی ایام میں جب کہ آپ بالکل تنہا تھے کیونکر آنحضرتؐ کے مدافع بن کر آپ کے شانہ بشانہ چل رہے تھے _

ایک اور روایت میں ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے اس وقت قریش کے ہر قبیلے کا نام لے لے کر انھیں بلایا اور انھیں جہنم کے عذاب سے ڈرایا، کبھی فرماتے :''یابنی کعب انقذواانفسکم من النار''

یعنی؛اے بنی کعب : خود کو جہنم سے بچاؤ، کبھی فرماتے : ''یا بنی عبد الشمّس'' کبھی فرماتے :'' یا بنی عبد مناف'' کبھی فرماتے : ''یا بنی ہاشم' کبھی فرماتے : ''یا بنی عبد المطلب انقذ وا انفسکم النار''_تم خود ہی اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ ، ورنہ کفر کی صورت میں میں تمہارا دفاع نہیں کرسکوں گا ۔

(3) اس روایت کو بہت سے اہل سنت علماء نے نقل کیا ہے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں : ابن ابی جریر، ابن ابی حاتم ، ابن مردویہ ، ابو نعیم ، بیہقی ، ثعلبی اور طبری مورخ ابن اثیر نے یہ واقعہ اپنی کتاب ''کامل '' میں اور '' ابوالفداء '' نے اپنی تاریخ میں اور دوسرے بہت سے مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں اسے درج کیا ہے مزید اگاہی کے لئے کتاب'' المرجعات ''ص130 کے بعد سے اور کتاب''احقاق الحق''ج2، ص62 ملاحظہ فرمائیں-

ایمان ابوطالب

تمام علمائے شیعہ اور اہل سنت کے بعض بزرگ علماء مثلاً ''ابن ابی الحدید''شارح نہج البلاغہ نے اور''قسطلانی'' نے ارشاد الساری میں اور'' زینی دحلان'' نے سیرۃ حلبی کے حاشیہ میں حضرت ابوطالب کو مومنین اہل اسلام میں سے بیان کیا ہے_اسلام کی بنیادی کتابوں کے منابع میں بھی ہمیں اس موضوع کے بہت سے شواہد ملتے ہیں کہ جن کے مطالعہ کے بعد ہم گہرے تعجب اور حیرت میں پڑجاتے ہیں کہ حضرت ابوطالب پر ایک گروہ کی طرف سے اس قسم کی بے جا تہمتیں کیوں لگائی گئیں ؟

جو شخص اپنے تمام وجود کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کا دفاع کیا کرتا تھااور بار ہاخود اپنے فرزند کو پیغمبر اسلام کے وجود مقدس کو بچانے کے لئے خطرات کے مواقع پر ڈھال بنادیا کرتا تھا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس پر ایسی تہمت لگائی جائے _یہی سبب ہے کہ دقت نظر کے ساتھ تحقیق کرنے والوں نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت ابوطالب کے خلاف، مخالفت کی لہر ایک سیاسی ضرورت کی وجہ سے ہے جو '' شجرہ خبیثہ بنی امیّہ'' کی حضرت علی علیہ السلام کے مقام ومرتبہ کی مخالفت سے پیدا ہوئی ہے _کیونکہ یہ صرف حضرت ابوطالب کی ذات ہی نہیں تھی کہ جو حضرت علی علیہ السلام کے قرب کی وجہ سے ایسے حملے کی زد میں آئی ہو ،بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جو تاریخ اسلام میں کسی طرح سے بھی امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے قربت رکھتا ہے ایسے ناجوانمردانہ حملوں سے نہیں بچ سکا، حقیقت میں حضرت ابوطالب کا کوئی گناہ نہیں تھا سوائے اس کے وہ حضرت علی علیہ السلام جیسے عظیم پیشوائے اسلام کے باپ تھے _

ایمان ابوطالب پر سات دلیل

ہم یہاں پر ان بہت سے دلائل میں سے جو واضح طور پر ایمان ابوطالب کی گواہی دیتے ہیں کچھ دلائل مختصر طور پر فہرست وار بیان کرتے ہیں تفصیلات کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں جو اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں ۔

حضرت ابوطالب، پیغمبر اکرمؐ کی بعثت سے پہلے خوب اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ان کا بھتیجا مقام نبوت تک پہنچے گا کیونکہ مورخین نے لکھا ہے کہ جس سفر میں حضرت ابوطالب قریش کے قافلے کے ساتھ شام گئے تھے تو اپنے بارہ سالہ بھتیجے محمدؐ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے ۔اس سفر میں انہوں نے آپ سے بہت سی کرامات مشاہدہ کیں ۔

ان میں ایک واقعہ یہ ہے کہ جو نہی قافلہ ''بحیرا'' نامی راہب کے قریب سے گزرا جو قدیم عرصے سے ایک گرجے میں مشغول عبادت تھا اور کتب عہدین کا عالم تھا، تجارتی قافلے اپنے سفر کے دوران اس کی زیارت کے لئے جاتے تھے، توراہب کی نظریں قافلہ والوں میں سے حضرت محمدؐ پر جم کررہ گئیں، جن کی عمر اس وقت بارہ سال سے زیادہ نہ تھی ۔

بحیرانے تھوڑی دیر کے لئے حیران وششدر رہنے اور گہری اور پُر معنی نظروں سے دیکھنے کے بعد کہا: یہ بچہ تم میں سے کس سے تعلق رکھتا ہے؟لوگوں نے ابوطالب کی طرف اشارہ کیا، انہوں نے بتایا کہ یہ میرا بھتیجا ہے ۔

''بحیرا'' نے کہا: اس بچہ کا مستقبل بہت درخشاں ہے، یہ وہی پیغمبر ہے کہ جس کی نبوت ورسالت کی آسمانی کتابوں نے خبر دی ہے اور میں نے اسکی تمام خصوصیات کتابوں میں پڑھی ہیں ۔

ابوطالب اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات سے پہلے دوسرے قرائن سے بھی پیغمبر اکرمؐ کی نبوت اور معنویت کو سمجھ چکے تھے ۔

اہل سنت کے عالم شہرستانی (صاحب ملل ونحل) اور دوسرے علماء کی نقل کے مطابق: ''ایک سال آسمان مکہ نے اپنی برکت اہل مکہ سے روک لی اور سخت قسم کی قحط سالی نے لوگوں کو گھیر لیاتو ابوطالب نے حکم دیا کہ ان کے بھتیجے محمد کو جو ابھی شیر خوار ہی تھے لایا جائے، جب بچے کو اس حال میں کہ وہ ابھی کپڑے میں لپیٹا ہوا تھا انہیں دیا گیا تو وہ اسے لینے کے بعد خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور تضرع وزاری کے ساتھ اس طفل شیر خوار کو تین مرتبہ اوپر کی طرف بلند کیا اور ہر مرتبہ کہتے تھے، پروردگارا، اس بچہ کے حق کا واسطہ ہم پر برکت والی بارش نازل فرما ۔

کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ افق کے کنارے سے بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوااور مکہ کے آسمان پر چھاگیااور بارش سے ایسا سیلاب آیا کہ یہ خوف پیدا ہونے لگا کہ کہیں مسجد الحرام ہی ویران نہ ہوجائے ۔''

اس کے بعد شہرستانی لکھتا ہے کہ یہی واقعہ جوابوطالب کی اپنے بھتیجے کے بچپن سے اس کی نبوت ورسالت سے آگاہ ہونے پر دلالت کرتا ہے ان کے پیغمبر پر ایمان رکھنے کا ثبوت بھی ہے اور ابوطالب نے بعد میں اشعار ذیل اسی واقعہ کی مناسبت سے کہے تھے :

و ابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ الارامل

''وہ ایسا روشن چہرے والا ہے کہ بادل اس کی خاطر سے بارش برساتے ہیں وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور بیوائوں کے محافظ ہیں ''

یلوذ بہ الہلاك من آل ہاشم فہم عندہ فی نعمة و فواضل

''بنی ہاشم میں سے جو چل بسے ہیں وہ اسی سے پناہ لیتے ہیں اور اسی کے صدقے میں نعمتوں اور احسانات سے بہرہ مند ہوتے ہیں،،

ومیزان عدلہ یخیس شعیرة ووزان صدق وزنہ غیر ہائل

''وہ ایک ایسی میزان عدالت ہے کہ جو ایک جو برابر بھی ادھر ادھر نہیں کرتا اور درست کاموں کا ایسا وزن کرنے والا ہے کہ جس کے وزن کرنے میں کسی شک وشبہ کا خوف نہیں ہے ''

قحط سالی کے وقت قریش کا ابوطالب کی طرف متوجہ ہونا اور ابوطالب کا خدا کو آنحضرت کے حق کا واسطہ دینا شہر ستانی کے علاوہ اور دوسرے بہت سے عظیم مورخین نے بھی نقل کیا ہے۔ا

---

(1) علامہ امینی نے اسے اپنی کتاب''الغدیر'' میں'' شرح بخاری'' ،''المواہب اللدنیہ'' ،'' الخصائص الکبری'' ،'' شرح بہجتہ المحافل'' ،''سیرہ حلبی'' ،'' سیرہ نبوی''اور ''طلبتہ الطالب'' سے نقل کیا ہے

اشعار ابوطالب زندہ گواہ

۲۔ اس کے علاوہ مشہور اسلامی کتابوں میں ابوطالب کے بہت سے اشعار ایسے ہیں جو ہماری دسترس میں ہیں ان میں سے کچھ اشعار ہم ذیل میں پیش کر رہے ہیں :

واللہ ان یصلوالیك بجمعھمحتی اوسدفی التراب دفینا

''اے میرے بھتیجے خدا کی قسم جب تک ابوطالب مٹی ہیں نہ سوجائے اور لحد کو اپنا بستر نہ بنالے دشمن ہر گز ہر گز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے ''

فاصدع بامرك ماعلیك غضاضتہ وابشربذاك وقرمنك عیونا

''لہٰذا کسی چیز سے نہ ڈراور اپنی ذمہ داری اور ماموریت کا ابلاغ کر، بشارت دے اور آنکھوں کو ٹھنڈا کر_''

ودعوتنی وعلمت انك ناصحي ولقد دعوت وکنت ثم امینا

''تونے مجھے اپنے مکتب کی دعوت دی اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تیرا ہدف ومقصد صرف پندو نصیحت کرنا اور بیدار کرنا ہے، تو اپنی دعوت میں امین اور صحیح ہے ''

ولقد علمت ان دین محمد(ص) من خیر ادیان البریة دیناً

''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ محمد کا دین ومکتب تمام دینوں اور مکتبوں میں سب سے بہتر دین ہے_''

اور یہ اشعار بھی انہوں نے ہی ارشاد فرمائے ہیں :

الم تعلموا انا وجدنا محمد اً رسولا کموسی خط فی اول الکتب

''اے قریش کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ محمدؐ موسی علیہ السلام کی مثل ہیں اور موسی علیہ السلام کے مانند خدا کے پیغمبر اور رسول

ہیں جن کے آنے کی پیشین گوئی پہلی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہےاور ہم نے اسے پالیاہے ۔''

وان علیہ فی العباد محبۃ ولاحیف فی من خصہ اللہ فی الحب

''خدا کے بندے اس سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں اور جسے خدا وندمتعال نے اپنی محبت کے لئے مخصوص کرلیاہو اس شخص سے یہ لگاؤبے موقع نہیں ہے ''۔

ابن ابی الحدید نے جناب ابوطالب کے کافی اشعار نقل کرنے کے بعد (کہ جن کے مجموعہ کو ابن شہر آشوب نے '' متشابہات القرآن'' میں تین ہزار اشعار کہا ہے) کہتا ہے : '''ان تمام اشعار کے مطالعہ سے ہمارے لئے کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ ابوطالب اپنے بھتیجے کے دین پر ایمان رکھتے تھے ۔''

۳۔ پیغمبر اکرم (ص) سے بہت سی ایسی احادیث بھی نقل ہوئی ہیں جو آنحضرت (ص) کی ان کے فداکار چچاابوطالب کے ایمان پر گواہی دیتی ہیں منجملہ ان کے کتاب ''ابوطالب مومن قریش''کے مولف کی نقل کے مطابق ایک یہ ہے کہ جب ابوطالب کی وفات ہوگئی تو پیغمبر اکرمؐ نے ان کی تشیع جنازہ کے بعد اس سوگواری کے ضمن میں جو اپنے چچاکی وفات کی مصیبت میں آپ کررہے تھے آپ یہ بھی کہتے تھے :

''ہائے میرے بابا ہائے ابوطالب میں آپ کی وفات سے کس قدر غمگین ہوں کس طرح آپ کی مصیبت کو میں بھول جاؤں ، اے وہ شخص جس نے بچپن میں میری پرورش اور تربیت کی اور بڑے ہونے پر میری دعوت پر لبیک کہی ، میں آپ کے نزدیک اس طرح تھا جیسے آنکھ خانہ چشم میں اور روح بدن میں ۔''

نیز آپ ہمیشہ یہ کیا کرتے تھے :" مانالت منی قریش شیئًااکرھہ حتی مات ابوطالب مَدَنِيَّةٌ مَدَنِيَّةٌ

''اہل قریش اس وقت تک کبھی میرے خلاف ناپسندیدہ اقدام نہ کرسکے جب تک ابوطالب کی وفات نہ ہوگئی ۔''

۴۔ ایک طرف سے یہ بات مسلم ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کو ابوطالب کی وفات سے کئی سال پہلے یہ حکم مل چکا تھا کہ وہ مشرکین کے ساتھ کسی قسم کا دوستانہ رابطہ نہ رکھیں ،اس کے باوجود ابوطالب کے ساتھ اس قسم کے تعلق اور مہرو محبت کا اظہار اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ انھیں مکتب توحید کا معتقد جانتے تھے ، ورنہ یہ بات کس طرح ممکن ہوسکتی تھی کہ دوسروں کو تو مشرکین کی دوستی سے منع کریں اور خود ابوطالب سے عشق کی حدتک مہرو محبت رکھیں ۔

۵۔ ان احادیث میں بھی کہ جو اہل بیت پیغمبر کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں حضرت ابوطالب کے ایمان واخلاص کے بڑی کثرت سے مدارک نظر آتے ہیں ، جن کا یہاں نقل کرنا طول کا باعث ہوگا ، یہ احادیث منطقی استدلالات کی حامل ہیں ان میں سے ایک حدیث چوتھے امام علیہ السلام سے نقل ہوئی ہے اس میں امام علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا ابوطالب مومن تھے ؟ جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا: "ان ھنا قوماً یزعمون انہ کافر" ،اس کے بعد فرمایاکہ : '' تعجب کی بات ہے کہ بعض لوگ یہ کیوں خیال کرتے ہیں کہ ابوطالب کافرتھے ۔ کیاوہ نہیں جانتے کہ وہ اس عقیدہ کے ساتھ پیغمبر (ص) اور ابوطالب پر طعن کرتے ہیں کیاایسا نہیں ہے کہ قرآن کی کئی آیات میں اس بات سے منع کیاگیا ہے (اور یہ حکم دیاگیا ہے کہ) مومن عورت ایمان لانے کے بعد کافر

کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور یہ بات مسلم ہے کہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا سابق ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور وہ ابوطالب کی زوجیت میں ابوطالب کی وفات تک رہیں ''۔

ابوطالب تین سال تک شعب میں

٦۔ ان تمام باتوں کو چھوڑتے ہوئے اگر انسان ہر چیز میں ہی شک کریں تو کم از کم اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں کر سکتا کہ ابوطالب اسلام اور پیغمبر اکرمؐ کے درجہ اول کے حامی ومددگار تھے، ان کی اسلام اور پیغمبر کی حمایت اس درجہ تک پہنچی ہوئی تھی کہ جسے کسی طرح بھی رشتہ داری اور قبائلی تعصّبات سے منسلک نہیں کیا جاسکتا۔

اس کا زندہ نمونہ شعب ابوطالب کی داستان ہے۔ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ جب قریش نے پیغمبر اکرم (ص) اور مسلمانوں کا ایک شدید اقتصادی، سماجی اور سیاسی بائیکاٹ کرلیا اور اپنے ہر قسم کے روابط ان سے منقطع کرلئے تو آنحضرت (ص) کے واحد حامی اور مدافع، ابوطالب نے اپنے تمام کاموں سے ہاتھ کھینچ لیا اور برابر تین سال تک ہاتھ کھینچے رکھا اور بنی ہاشم کو ایک درہ کی طرف لے گئے جو مکہ کے پہاڑوں کے درمیان تھا اور ''شعب ابوطالب'' کے نام سے مشہور تھا اور وہاں پر سکونت اختیار کرلی ۔

ان کی فداکاری اس مقام تک جا پہنچی کہ قریش کے حملوں سے بچانے کے لئے کئی ایک مخصوص قسم کے برج تعمیر کرنے کے علاوہ ہر رات پیغمبر اکرمؐ کو ان کے بستر سے اٹھاتے اور دوسری جگہ ان کے آرام کے لئے مہیا کرتے اور اپنے فرزند دلبند علی کو ان کی جگہ پر سلادیتے اور جب حضرت علی کہتے: ''بابا جان میں تو اسی حالت میں قتل ہوجاؤں گا '' تو ابوطالب جواب میں کہتے : میرے پیارے بچے بردباری اور صبر ہاتھ سے نہ چھوڑو، ہر زندہ موت کی طرف رواں دواں ہے، میں نے تجھے فرزند عبداللہ کا فدیہ قرار دیا ہے ۔

یہ بات اور بھی طالب توجہ ہے کہ جو حضرت علی علیہ السلام باپ کے جواب میں کہتے ہیں کہ بابا جان میرا یہ کلام اس بناپر نہیں تھا کہ میں راہ محمد میں قتل ہونے سے ڈرتا ہوں، بلکہ میرا یہ کلام اس بناپر تھا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ آپ کو معلوم ہوجائے کہ میں کس طرح سے آپ کا اطاعت گزار اور احمد مجتبی کی نصرت ومدد کے لئے آمادہ و تیار ہوں ۔

قارئین کرام ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص بھی تعصب کو ایک طرف رکھ کر غیر جانبداری کے ساتھ ابوطالب کے بارے میں تاریخ کی سنہری سطروں کو پڑھے گا تو وہ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کا ہمصدا ہو کر کہے گا :

ولو لا ابوطالب وابنہ لما مثل الدين شخصا وقاما
فذاك بمكة آوى وحامي وهذا بيثرب جس الحماما

''اگر ابوطالب اور ان کا بیٹا نہ ہوتے تو ہرگز مکتب اسلام باقی نہ رہتا اور اپنا قد سیدھا نہ کرتا، ابوطالب تو مکہ میں پیغمبر کی مدد کے لئے آگے بڑھے اور علی یثرب (مدینہ) میں حمایت اسلام کی راہ میں گرداب موت میں ڈوب گئے ''

ابوطالب کا سال وفات ''عام الحزن''

۷۔ابوطالب کی تاریخ زندگی، جناب رسالت مآبؐ کے لئے ان کی عظیم قربانیاں اور رسول اللہ اور مسلمانوں کی ان سے شدید محبت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے ہم یہاں تک دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب کی موت کے سال کا نام ''عام الحزن'' رکھا یہ سب باتیں اس امر کی دلیل ہیں کہ حضرت ابوطالب کو اسلام سے عشق تھا اور وہ جو پیغمبر اسلام کی اس قدر مدافعت کرتے تھے وہ محض رشتہ داری کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس دفاع میں آپ کی حیثیت ایک مخلص، ایک جاں نثار اور ایسے فداکار کی تھی جو اپنے رہبر اور پیشوا کا تحفظ کر رہا ہو ''۔

قرآن اور تبلیغ

مبلّغ کی صفات (۲)

حجۃالاسلام والمسلمین شیخ محسن قرائتی

قاطعیت اور شجاعت

حقیقی مبلغ کی ایک اور صفت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی گمرائیوں کے مقابلے میں پوری قاطعیت کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور خداوند متعال کے سوا کسی سے نہ ڈرے :" الذین یبلّغون رسالات اللّٰہ و یخشونہ و لا یخشون احداً الاّاللّٰہ "[4]

اور وہ جان لے کہ دوسری کی گمراہی اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتی ؛

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لاَ يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ "[5]

اے ایمان والو ! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا اگر تم ہدایت یافتہ ہو چکے ہو، تم سب کو اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے، پھر وہ تمہیں ان کاموں سے خبردار فرمادے گا جو تم کرتے رہے تھے۔

مبلغ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بغیر کسی خوف اور ڈر کے بدعتوں کا مقابلہ کرے اور اُن کو روکے اور یہ وہ عہد و پیمان ہے کہ جو خداوند متعال نے اُس سے لیا ہے :

" اذا ظهرت البدع فی امتّی فلیظهر العالم علمه فمن لم یفعل فعلیه لعنةاللّٰه "[6]

یعنی ؛ جب اُمت میں بدعتیں پیدا ہونی شروع ہو جائیں تو عالم پر فرض ہے کہ وہ اپنا علم ظاہر کرے اور اگر کوئی عالم ایسا نہیں کرتا تو اُس پر خدا کی لعنت ہو۔

اُسے قرآنی آیات کی طرح مجرموں کے طور طریقوں اور اُن کی سازشوں کو فاش کرنا چاہیے :

" وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ "[7]

"اور اسی طرح ہم آیتوں کو تفصیلاً بیان کرتے ہیں تاکہ مجرموں کا راستہ (سب پر) ظاہر ہو جائے"۔

مبلغ کو حقائق بیان کرنے میں شجاعت سے کام لینا چاہیے اور طاقتور اور متکبر لوگوں کے خوف کی وجہ سے حقائق کو چھپانا نہیں چاہیے

[4] ۔احزاب، آیت ۳۹

[5] ۔مائدہ، ۱۰۵

[6] ۔اصول کافی، ج ا، ص ۵۴

[7] ۔سورہ انعام، آیت ۵۵

جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کافروں پر حملہ کرتے ہوئے پوری شجاعت اور شہامت کے ساتھ فرمایا تھا:

"وَتَاللّٰہِ لَأَکِیدَنَّ أَصْنَامَکُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِینَ" [8]

یعنی ؛ اور اللہ کی قسم! میں تمہارے بتوں کے ساتھ ضرور ایک تدبیر عمل میں لاؤں گا اس کے بعد کہ جب تم پیٹھ پھیر کر پلٹ جاؤ گے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کی توبیخ کرتے ہوئے فرمایا:

" وَانظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا " [9]

"اور تو اپنے اس (من گھڑت) معبود کی طرف دیکھ (جس کو تو نے زر وزیور سے بنایا ہے اور جس کی پوجا) پر تو جم کر بیٹھا رہا، ہم اسے ضرور جلا ڈالیں گے پھر ہم اس (کی راکھ) کو ضرور دریا میں اچھی طرح بکھیر دیں گے۔"

ایک مومن مبلغ، تبلیغ کے راستے میں مذمت کرنے والوں کی کسی قسم کی مذمت سے نہیں ڈرتا:

"يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلاَ يَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ " [10]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے جب معاذ کو تبلیغ کے لئے «یمن» بھیجنے لگے تو فرمایا:

"ولا تخف فی اللّٰہ لومۃ لائم" [11]

یعنی اے معاذ خدا کے راستے میں مذمت کرنے والوں کی مذمت سے نہ ڈرنا۔

حقیقی اور شجاع مبلّغ، جہاں بھی ضرورت پڑتی ہے، پوری قاطعیت کے ساتھ کفار سے منہ موڑ دیتا ہے اور کھل کر اُن سے کہتا ہے:

"لکم دینکم ولی دین" تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے۔

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روم اور ایران جیسی بادشاہیوں کو خط لکھ کر دعوت اسلام دینا کتنی جرائت اور شجاعت کا کام تھا؟ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ امام خمینی رحمۃ اللہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک فرزند صدیوں بعد بھی سویت یونین کے صدر کو خط لکھتے ہیں اور اُسے اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔اور امریکہ کے صدر کو بدترین افراد میں سے قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے یہ شجاعت اور بہادری اپنے جد بزرگوار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورثے میں حاصل کی ہے۔ شجاع اور بہادر انسان پوری تاریخ میں کبھی بھی طاقتور اور ظالم بادشاہوں سے نہیں ڈرے۔

ایک دن عبد الملک بن مروان صحرا میں ایک عرب دیہاتی کو دیکھتا ہے تو اپنے گھوڑے کی لگام کھینچ کر کھڑا ہو جاتا ہے تاکہ اُس کے ساتھ باتیں کرے۔اُس نے کہا: عبد الملک بن مروان کو جانتے ہو ؟ عرب نے جواب دیا: ہاں وہ ایک ناقابل ہدایت ظالم ہے۔اُس نے

[8]۔ سورہ انبیاء، آیت ۵۷

[9]۔ سورہ طہ، آیت ۹۷

[10]۔ سورہ مائدہ، آیت ۵۴

[11]۔ تحف العقول، ص۲۶

کہا: وائے ہو تم پر ؛ میں ہی عبد الملک ہوں ۔ دیہاتی عرب نے جواب میں کہا : خداوند متعال تجھے طولانی عمر نہ دے اور تجھے مال و دولت نہ دے چونکہ تو نے خدا کا مال کھایا ہے اور اُس کی حرمت کو ضائع کیا ہے۔[12]

۱۰۔ تنقید پذیری

تنقید پذیری ایک اچھی اور قابل قدر صفت ہے ۔ دعائے مکارم اخلاق میں ہم پڑھتے ہیں کہ :" اللّٰھم ... وفقّنی لطاعة من سدّدنی و متابعة من ارشدنی "یعنی ؛اے اللہ ، مجھے اُس شخص کی پیروی اور اطاعت کرنے میں کامیابی عطا کر کہ جو مجھے میری مصلحت کی طرف دعوت دے اور میری ہدایت کرے۔

کوئی بھی انسان خطا اور غلطی سے محفوظ نہیں چونکہ سرکش نفس انسان کو برائی کی طرف دعوت دیتا رہتا ہے۔" وَمَا أُبَرِّیءُ نَفْسِی إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلاَّ مَا رَحِمَ رَبِّیِ "یعنی ؛ اور میں اپنے نفس کی برات (کا دعوی) نہیں کرتا، بیشک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرمادے۔[13]

مبلغ تنقید اور انتقاد کو سنتا ہے کیونکہ حقائق کو نہ سننا ،دل کے اندھے کفار کا وطیرہ ہے۔" وَلَهُمْ آذَانٌ لاَّ يَسْمَعُونَ بِهَا "یعنی ؛وہ کان رکھتے ہیں لیکن اُن سے سنتے نہیں۔

" وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ "یعنی ؛ اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے۔[14]

ایک مسلمان پر جب تنقید کی جاتی ہے تو وہ اس تنقید کو ایک ہدیہ سمجھتا ہے اور جو کوئی اُس کے عیوب کی نشاندہی کرتا ہے اُسے اپنا بہترین بھائی سمجھتا ہے ۔" احبّ اخوانی من اهدی الیّ عیوبی"۔[15]

۱۱۔ محروم و مستضعف لوگوں کا حامی

پوری تاریخ کے دوران انبیائے الٰہی کے اکثر پیروکار مستضعف ، محروم اور مسکین لوگ تھے۔اور رسالت انبیاء کی زیادہ تر سختیاں انہی کے کاندھوں پر تھیں۔بنابریں مبلغ کو ان کی حمایت کرنی چاہیے اور ان کو اپنے الگ نہیں کرنا چاہیے۔

"وَلاَ تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ "۔[16]

یعنی ؛ اور آپ ان (شکستہ دل اور خستہ حال) لوگوں کو (اپنی صحبت و قربت سے) دور نہ کیجئے جو صبح و شام اپنے رب کو صرف اس کی رضا چاہتے ہوئے پکارتے رہتے ہیں، ان کے (عمل و جزا کے) حساب میں سے آپ پر کوئی چیز (واجب) نہیں اور نہ آپ کے حساب میں سے کوئی چیز ان پر (واجب) ہے (اگر) پھر بھی آپ انہیں (اپنے لطف و

[12]۔ مجموعہ ورام، ج ا، ص ۳۱

[13]۔ سورہ یوسف، آیت ۵۳

[14]۔ سورہ الصافات، آیت ۱۳

[15]۔ بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۲۸۲

[16]۔ سورہ انعام، آیت ۵۲

کرم سے) دور کردیں تو آپ حق تلفی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے (جو آپ کے شایانِ شان نہیں)۔

کفار نے ہمیشہ انبیائے کرام کے ان مستضعف اور نادار پیروکاروں کو حقیر اور پست انسانوں کے طور پر متعارف کرایا ہے؛

'' وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلاَّ الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا ''۔[17]

یعنی؛ اور ہم نے کسی (معزز شخص) کو تمہاری پیروی کرتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے ہمارے (معاشرے کے) سطحی رائے رکھنے والے پست و حقیر لوگوں کے (جو بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں)۔

وہ ہمیشہ توقع رکھتے تھے کہ انبیائے کرام ان نادار اور مستضعف لوگوں کو اپنے سے دور کردیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے رسولوں کا عمل اس کے برعکس ہے اور وہ (ان کفار کی بے جا توقع کے جواب میں)فرماتا ہے:

'' وَمَآ أَنَا۠ بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا '' ۔[18] اور میں (تمہاری خاطر) ان (غریب اور پسماندہ) لوگوں کو جو ایمان لے آئے ہیں دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں (تم انہیں حقیر مت سمجھو یہی حقیقت میں معزز ہیں)۔

مبلغ کو ان محروم لوگوں کی حمایت کرنے کے ساتھ ساتھ ،احساسات سے عاری امیر طبقے سے دوری اختیار کرنی چاہیے ۔جو ہمیشہ انبیائے الٰہی کے مقابلے میں کھڑے ہو جاتے تھے۔

[17]۔ سورہ حود، آیت ۲۷

[18]۔ سورہ حود، آیت ۲۹

'' وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ''۔[19] یعنی؛اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈر سنانے والا نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے خوشحال لوگوں نے (ہمیشہ یہی) کہا کہ تم جو (ہدایت) دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔

اسی طرح مالدار اور دولت مند مومنین کی نفسیات بھی یہی تھی کہ وہ بہت کم سختیوں کو برداشت کرتے تھے؛

'' وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ ''۔[20] یعنی؛اور جب کوئی (ایسی) سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معیت میں جہاد کرو تو ان میں سے دولت اور طاقت والے لوگ آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور کہتے ہیں: آپ ہمیں چھوڑ دیں ہم (پیچھے) بیٹھے رہنے والوں کے ساتھ ہو جائیں۔

مبلغ کو جاننا چاہیے کہ محروم اور پسماندہ لوگوں سے بے اعتنائی اور اُن سے منہ موڑنے کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت توبیخ کا باعث بنتا ہے؛

'' عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ۔ أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ ''[21]

یعنی؛ کیوں ا ن کے چہرۂ پر ناگواری آئی اور رخ (انور) موڑ لیا۔اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا؟

[19]۔ سورہ سبا، آیت ۳۴

[20]۔ سورہ توبہ، آیت ۸۶

[21]۔ سورہ عبس، آیت ۲،ا

۱۲۔خدا پر توکل

اگر چہ انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی میں مبلغ کا کام بہت زیادہ موثر واقع ہوتا ہے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ حقیقی تاثیر پیدا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور مبلغ فقط ایک وسیلہ ہے؛

" إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ " [22]

یعنی حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (راہِ ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے راہِ ہدایت پر آپ خود نہیں لاتے بلکہ جسے اللہ چاہتا ہے (آپ کے ذریعے) راہِ ہدایت پر چلا دیتا ہے۔

" وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا " [23]

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مشرکین کو شرک سے روک دیتا تاکہ وہ سب خداشناس بن جاتے۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے فرماتا ہے :آپ لوگوں کے نگہبان اور وکیل تو نہیں ہیں :

" وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ "[24]

آپ اُن کے کفر کو تبدیل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے :

" فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ۔ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ "۔[25]

[22]۔سورہ قصص،آیت ۵۶
[23]۔سورہ انعام،آیت ۱۰۷
[24]۔ایضاً
[25]۔غاشیہ،آیت ۲۱،۲۲

آپ لوگوں پر جبر واجبار کرنے والے نہیں ہیں :

" مَا أَنتَ عَلَيْهِم بِجَبَّارٍ "[26]

اور کوئی بھی چیز آپ کے اختیار میں نہیں ہے :" لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ "۔[27]

اگر خدا چاہے تو ایک پرندہ یعنی "ہدہد" حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب سے ایک خط ملکہ سبا تک پہنچا کر پورے ایک علاقے کے ایمان کا وسیلہ بن سکتا ہے۔لہٰذا مبلغ کو نہ تو لوگوں کے ایمان کی وجہ سے غرور و تکبر میں مبتلا ہونا چاہیے اور نہ ہی اُن کے کفر کی وجہ سے مایوس و نااُمید ہونا چاہیے۔بلکہ وہ اپنی تبلیغ کے دوران لحظہ بہ لحظہ خدا پر توکل کرے؛

"فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ "یعنی پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر توکل اور بھروسہ کیا کریں۔[28]

۱۳۔نرم مزاج، مہربان اور ہمدرد

نرمی فقط کلام ہی میں نہیں ہونی چاہیے بلکہ دوسروں کے ساتھ رویہ اپنانے اور طرز عمل اختیار کرنے میں بھی ضروری ہے، کیونکہ نرمی اور مہربانی ہی کے ذریعے لوگوں کو دینِ خدا کی طرف لایا جا سکتا ہے اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ کسی بھی شخص کو زور اور جبر کے ذریعے ہدایت نہیں کی جا سکتی۔

[26]۔ق،آیت ۴۵
[27]۔آل عمران،آیت ۱۲۸
[28]۔آل عمران،آیت ۱۵۹

" أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُواْ مُؤْمِنِينَ " ۔[29] یعنی ؛ (اے رسول) تو کیا آپ لوگوں پر جبر کریں گے یہاں تک کہ وہ مومن ہو جائیں ؟

لوگوں کے ساتھ مہربانی اور محبت کے ذریعے ہی اُنہیں اپنے قریب کیا جاسکتا ہے اور سختی کرنے اور سخت دل ہونے کی وجہ سے وہ دین خدا سے دور ہو جاتے ہیں ۔یہ خداوند متعال کا کلام ہے جس میں اپنے رسول سے خطاب کرکے فرماتا ہے :

" فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ "۔[30] یعنی ؛(اے حبیب !) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تُند خُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔

" وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ "۔[31] یعنی ؛اور (اے رسولِ !) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

پس اُن کے ساتھ نرم اور اچھے لہجے میں گفتگو کیجئے ؛

" وَقُولُواْ لَهُمْ قَوْلاً مَّعْرُوفًا " یعنی ؛اور ان سے نیکی اور نرمی کے ساتھ بات کرو۔[32]

[29]۔یونس، آیت ۹۹

[30]۔آل عمران، آیت ۱۵۹

[31]۔انبیاء، آیت ۱۰۷

[32]۔نساء، آیت ۸

" لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ "۔[33] یعنی ؛ بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو !) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب وآرزو مند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔

" وَيَدْرَؤُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُوْلَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ "یعنی ؛اور جو لوگ نیکی کے ذریعہ برائی کو دور کرتے رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا (حسین) گھر ہے۔[34]

دین اسلام کوئی دشوار اور سخت گیر دین نہیں ہے ؛" يُرِيدُ اللّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ " اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے دشواری نہیں چاہتا۔[35]

لاپروا لوگوں کو تنگ نظری اور نفرت کے ساتھ اپنے سے دور کرنا رسول خدا کا شیوہ نہیں تھا۔ لہٰذا آپ نے فتح مکہ کے بعد تمام دشمنوں کو معاف کر دیا تھا اور فرمایا :" انتم الطلقا "یعنی " تم آزاد ہو "۔

اُس دن سعد بن عبادہ نام کے ایک کمانڈر نے رسول خدا کے لشکر میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا :"الیوم یوم الملحمۃ "یعنی آج انتقام کا دن ہے ۔آنحضرت نے یہ جملہ سنتے ہی اُس سے پرچم

[33]۔توبہ۔آیت ۱۲۸

[34]۔رعد، آیت ۲۲

[35]۔بقرہ، آیت ۱۸۵

لے لیا اور حضرت علی علیہ السلام کو دیتے ہوئے فرمایا: " الیوم یوم المرحمة "یعنی آج رحمت اور مہربانی کا دن ہے۔[36]

یہی مہربان رسول جب معاذ کو تبلیغ کے لئے یمن کی طرف بھیجتے ہیں تو اُسے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :"علیك بالرفق والعفو "۔[37] یعنی لوگوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا اور اُن کی غلطیوں کو معاف کرنا۔

اور ہم سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں :

"لینوا لمن تعلمون"۔[38] یعنی جن کو تعلیم دیتے ہو اُن کے ساتھ نرمی سے پیش آو۔

جی ہاں ؛ محبت سے ہی کانٹوں کو پھولوں میں تبدیل کیا جاسکتا ہے ۔انسان ایک انتہائی لطیف { نازک } روح کا مالک ہے اور احساسات وعواطف میں ڈوبا ہوتا ہے اور معمولی سی نرمی اور محبت سے دین خدا کا عاشق بن جاتا ہے۔

" وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِی هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِی بَیْنَكَ وَبَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیمٌ " ۔[39] یعنی ؛ہر گز نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتے، اور برائی کو بہتر (طریقے) سے دور کیا کرو سو نتیجتًا وہ شخص کہ تمہارے اور جس کے درمیان دشمنی تھی گویا وہ گرم جوش دوست ہو جائے گا۔

لوگوں کو دین خدا سے دور کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب یہی بے جا سختیاں ہیں ۔دین اسلام ،انسانوں کی فطرت کے مطابق ہے اور اس کے احکام آسان اور سختی سے خالی ہیں ;

" وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّینِ مِنْ حَرَجٍ "۔[40] یعنی ؛اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

بہت سے جعلی اور تحریف شدہ ادیان کے برعکس ،اس مقدس دین کی بنیاد ، کھانے پینے ،جائز تفریعات اور جنسی جبلت جیسی انسان کی قدرتی خواہشات کو دبانے پر نہیں رکھی گئی بلکہ یہ دین ان قدرتی جبلتوں کو قابو میں رکھنے کی تاکید کرتا ہے ۔تاکہ کہیں یہ انسانی خواہشات ایک تباہ کرن سیلاب کی مانند انسانیت کی جڑیں ہی اُکھاڑ نہ پھینکیں۔

سابقہ ادیان مثلًا دین یہود میں بعض گناہوں کا ارتکاب کرنے کی صورت میں ایک دوسرے کو قتل کردیا جاتا تھا ؛" فَتُوبُواْ إِلَى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُواْ أَنفُسَكُمْ "۔[41]

اور بہت سی چیزیں اُن پر حرام تھیں ؛" وَعَلَى الَّذِینَ هَادُواْ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِی ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَیْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلاَّ مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَایَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ "۔[42] یعنی اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والا (جانور) حرام کر دیا تھا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربی حرام کر دی تھی سوائے

---

[36]۔ تاریخ ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۴۶

[37]۔ تحف العقول، ص ۲۶

[38]۔ بحار الانوار، ج ۲، ص ۶۲

[39]۔ فصلت، آیت ۳۴

[40]۔ حج، آیت ۷۸

[41]۔ بقرہ، آیت ۵۴

[42]۔ انعام، آیت ۱۴۶

اس (چربی) کے جو دونوں کی پیٹھ میں ہو یا او جھڑی میں لگی ہو یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہو۔

لیکن اسلام کا کوئی بھی حکم انسانی طاقت سے زیادہ نہیں اور نہ اُس کے لئے دشوار ہے۔اس مطلب کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

'' مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ '' ۔ [43]یعنی ؛(اے رسول !) ہم نے آپ پر قرآن (اس لئے) نازل نہیں فرمایا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

مبلغ کو نہیں چاہیے کہ وہ لوگوں کو اسلام اور اُس کے احکام سے ڈراتا پھرے بلکہ انہیں آسان اور سہل کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔اُسے چاہیے کہ وہ لوگوں کو روزے جیسے احکام کے فلسفے اور مقصد سے آگاہ کرے کہ جو بظاہر دوسرے احکام کی نسبت سخت نظر آتے ہیں۔انہیں سادہ اور میٹھے انداز میں پیش کرے تاکہ لوگ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں سختی میں نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ اُنہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور اپنی نعمتیں اُن پر پوری کرنا چاہتا ہے۔'' مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ '' ۔ [44]یعنی ؛اللہ نہیں چاہتا کہ وہ تمہارے اوپر کسی قسم کی سختی کرے لیکن وہ (یہ) چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کردے اور تم پر اپنی نعمت پوری کردے۔

'' فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ '' ۔ [45]یعنی ؛پس اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے۔

سابقہ اُمتوں پر روزہ کے وجوب اور ایام روزہ کے محدود ہونے کا حکم بیان کرنے،اسی طرح جو لوگ بیمار ہیں یا سفر میں ہیں،اُن کے لئے ''فدیہ'' معین کرنے کا مطلب روزوں جیسے الٰہی فریضے کو آسان کر کے پیش کرنا ہے۔

مبلغ کو چاہیے کہ وہ لوگوں کی طرف سے دینی اعمال کو انجام دینے کے سلسلے میں اُن کے ضعیف اور قوی ہونے اور قلبی رجحان اور عدم رجحان کو مد نظر رکھے چونکہ یہی قرآنی طریقہ تبلیغ ہے،مثلاً جب مسلمانوں میں جنگ کرنے کی طاقت کم ہو جاتی ہے تو خداوند متعال اُن کو دو سو افراد کے مقابلے میں سو افراد کے کھڑا ہونے کا حکم دیتا ہے۔حالانکہ پہلے دو سو افراد کے مقابلے میں بیس افراد کے مقابلے کا حکم دیا گیا تھا؛'' الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۔ [46]یعنی ؛اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی قدر) کمزوری ہے سو (اب تخفیف کے بعد حکم یہ ہے کہ) اگر تم میں سے (ایک) سو (آدمی) ثابت قدم رہنے والے ہوں (تو) وہ دو سو (کفار) پر غالب آئیں گے۔

یا ایک دوسرے مقام پر لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جس قدر ہو سکتا ہے قرآن کی تلاوت کریں،حالانکہ پہلے اُنہیں پوری رات

---

[43]۔طٰہ،آیت ۲

[44]۔مائدہ،آیت ٦

[45]۔بقرہ،آیت،۱۸۴

[46]۔انفال،آیت ٦٦

میں ایک تہائی قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اس حکم کو آسان کر دیتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ لوگ دن رات کا اس قدر دقیق حساب نہیں رکھ سکتے؛" عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ "۔[47]

اس بحث کے آخر میں ہم اس بات کی یاد دہانی کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ محبت آمیز اور نرم رویہ فقط پاک فطرت اور غیر ضدی انسانوں کے ساتھ ہی روا رکھا جاسکتا ہے۔ لہٰذا دین خدا کے سخت ترین دشمنوں اور ضدی وہٹ دھرم قسم کے لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی نرمی اور محبت نہیں دکھانی چاہیے کہ جو کسی بھی صورت میں اپنی دشمنی سے دست بردار ہونے والے نہیں ہیں۔ جیسا کہ رسول خدا اور آپ کے اصحاب ایک دوسرے کے ساتھ مہربان اور کفار کے مقابلے میں بہت یادہ سخت تھے؛" مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ "۔[48]

----

[47] ۔ مزمل، آیت ۲۰

[48] ۔ فتح، آیت ۲۹

جانشین رسولؐ کا طریقہ تبلیغ

از : گروہ تحریر

رسول اللہؐ کے جانشین بھی آپ کی طرح تبلیغ دین پر مامور تھے ،چونکہ دین اور شریعت اللہ تعالیٰ سے دریافت کرکے لوگوں تک پہنچانا تو رسالت ونبوت کے فرائض میں سے ہے لیکن دین کی تبلیغ و تبیین اور حفاظت ونفاذ خود رسول اللہؐ کے علاوہ اُن کے جانشینوں کا بھی فریضہ ہے ۔یہی آپؐ کے بعد امامت اور ولایت کے سلسلے پر سب سے بڑی دلیل ہے۔ نبی اکرمؐ کا لایا ہے ہوا دین آخری دین ہے جس نے تاقیامت انسانوں کی ہدایت کے لئے باقی رہنا ہے اور اس دین کے بعد کوئی اور دین نہیں آنا،یہی ختم نبوت کا عقیدہ ہے۔لیکن اس دین کی حفاظت ، تبلیغ و تبیین اور نفاذ کا سلسلہ تاقیامت باقی رہے گا جس کے لئے رسول اللہؐ کے بعد اُن کے جانشینوں کا کام شروع ہوتا ہے۔امامیہ اثنا عشریہ کا یہی عقیدہ ہے کہ آپؐ کے بعد آپ کے بارہ جانشین ہیں جنہوں نے دین کی تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا ہے اور اس کی تبیین وحفاظت کی ذمہ داری پوری کرتے رہے ہیں اور آخری جانشین

بھی یہ ذمہ داری پوری کررہا ہے اور ظہور کے بعد بھی نفاذ دین کرے گا۔

لہٰذا رسول اللہؐ کے بعد آپ کے جانشینوں نے اپنے اپنے دور میں تبلیغ دین کی ذمہ داریاں پوری کی ہیں۔ جن میں پہلے جانشین رسول حضرت علی علیہ السلام نے بھی تبلیغ دین کی ہے اور اُن کی تبلیغی سیرت آج بھی مبلغین اسلام کے لئے نمونہ عمل بن سکتی ہے۔اسی مقصد کی خاطر یہاں حضرت امام علی علیہ السلام کی تبلیغی سیرت سے چند نکات '' تبلیغ ''کے قارئین کی نذر کیئے جارہے ہیں۔

جانشین رسولؐ حضرت علی علیہ السلام کہ جو آپؐ ہی کے زیر سایہ پروان چڑھے تھے، ایک اہم شخصیت کے مالک تھے جس کو آپ کی فردی، سماجی اور گھریلو زندگی میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی ایک خصوصیت تبلیغی میدان میں آپ کی سیرت اور طریقہ تھا۔امام علیہ السلام نے ہر حال میں اسلام کی تبلیغ اور تبیین کا فریضہ انجام دیا ہے۔ تقیہ کی حالت میں بھی اس فریضے سے چشم پوشی نہیں کی اور ظاہری خلافت اور حکومت کے دور میں بھی تبلیغ دین کے فریضے کو احسن انداز میں انجام دیا ہے۔امام علیہ السلام کی تبلیغ سیرت سے جو نکات اخذ ہوتے ہیں ،اُن کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے جو مبلغین اسلام کے لئے رہنما اصول بن سکتے ہیں :

ا۔ حکمت

ہدایت اور تبلیغ میں حکمت کا استعمال ایک بہترین طریقہ ہے جس پر امام علی علیہ السلام نے قرآن مجید کی آیہ مجیدہ کے مطابق عمل کیا جس میں فرمایاگیا ہے:۔" ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ۔ "یعنی ؛(اے رسولؐ !) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ

نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔(سورۂ نحل :۱۲۵)

لغت میں حکمت منع کرنے کے معنیٰ میں ہے، لیکن مفسرین کے درمیان حقیقت حکمت کے سلسلہ میں دو اصولی نظریہ پائے جاتے ہیں۔ مشہور مفسرین کا عقیدہ ہے کہ حکمت کے معنیٰ حجت، برہان، استدلال اور محکم سخن کے ہیں۔

اور بعض دوسرے مفسرین جیسے سید قطب کا نظریہ ہے کہ حکمت کے معنی شیوہ تبلیغ کے ہیں ان کا یہ نظریہ ہے کہ مبلغ کو راہ تبلیغ میں راہ حکمت کو طے کرنا چاہیے اور حالات کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ ان دو نظریوں میں کوئی منافات نہیں پائی جاتی اور ان کو ملانا ممکن ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے شیوہ تبلیغ میں حکیمانہ روش کا استعمال کیا ہے کیوں کہ امام نے نہج البلاغہ میں توحید کو ثابت کرنے کے کے لئے فلسفی دلیلوں سے استدلال کیا ہے۔

۲۔ موعظہ

امام علی علیہ السلام کی تبلیغی سیرت کا دوسرا نکتہ ''موعظہ'' ہے۔ موعظہ یعنی تقوا اور طاعت الٰہی اور گناہوں سے پرہیز کرنے کی تاکید اور انسان کو اس بات سے روکنا کہ وہ دنیا کے زرق و برق سے دھوکہ نہ کھائے۔ نہج البلاغہ کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے تبلیغ میں اس موعظہ کا استعمال کیا ہے۔ مولیٰ علی علیہ السلام نے لوگوں کو اس وقت خطاب کیا ہے جب لوگوں کے احساسات کو اُبھارنے اور ان کے ذہنوں میں تلاطم ایجاد کرنے اور ظلم کی جڑوں کو اکھاڑنے کی ضرورت تھی۔ جیسا کہ آپ نے جنگ صفین میں معاویہ سے مقابلہ کے وقت اسی روش سے استفادہ فرمایا۔ نہج البلاغہ کے بہت سے خطبات میں امام علیہ السلام نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کی ہے اور اسی طریقے سے لوگوں کو اپنے دینی فرائض پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ نہج البلاغہ کے مواعظ مشہور ہیں اور اکثر مفسرین نہج البلاغہ نے ان مواعظ کو نمایاں طور پر ذکر کیا ہے جن کی طرف مبلغین توجہ کرکے اپنی تبلیغی روش کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

۳۔ مجادلہ

امام علیہ السلام کے شیوہ تبلیغ میں سے ایک شیوہ مجادلہ ہے۔ لغت میں مجادلہ کے معنیٰ رسی کو لپیٹنے کے ہیں اور اس کے بعد یہ کلمہ گفتگو کے ذریعہ طرف مقابل کو الجھا کر اس کے اوپر غلبہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مجادلہ کی تین قسمیں ہیں: مجادلہ احسن، مجادلہ حسن، مجادلہ غیر حسن۔ جہاں تک کہ امام کا تبلیغی شیوہ ہے، وہ واقعیت کو آشکار کرنا اور حقیقت کو بیان کرنا ہے۔ آپ نے مجادلہ غیر حسن سے پرہیز کیا ہے اور اکثر مواقع پر مجادلہ احسن یا حسن سے استفادہ کیا ہے طبرسی نے اپنی کتاب الاحتجاج میں اس کے بہت سے نمونے ذکر کیے ہیں۔ جن کی طرف مبلغین کو رجوع کرنا چاہیے۔ یہ کتاب مبلغین کے لئے ایک تبلیغی نصاب کی حیثیت رکھتی ہے۔

۴۔ واقعیت کو آشکار کرنا اور حقیقت کو بیان کرنا

تبلیغ کے سلسلہ میں قرآن و اسلام کی سیاست حقیقت اور واقعیت پر منحصر ہے اور وہ تبلیغ جس کی بنیاد جھوٹ، دھوکہ، ریاکاری، سازش اور لوگوں کو گمراہ کرنے پر ہو، اسلام میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اور دوسرے ائمہ اطہار علیہم السلام نے تبلیغ دین میں ہمیشہ دین کے حقائق واضح کرنے اور حقیقت بیان کی سعی

کی ہے۔وہ اپنے حسن عمل، اخلاق اور کردار کے ذریعہ لوگوں کی ہدایت کرتے تھےاور دین کی حقیقت کو اپنے کردار اور عمل کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ مبلغین اسلام کاسب سے اہم فریضہ یہی ہے کہ وہ عوام الناس کو دین کے حقائق سے آگاہ کریں اور کوئی ایساکام نہ کریں جس کی وجہ سے حقیقت دین لوگوں پر مخفی رہے۔

۵۔مخاطب شناسی

مخاطب شناسی تبلیغ کے اساسی ارکان میں سے ہے کیونکہ اگر آپ کے پیغام کو دریافت کرنے والا مخاطب نہ ہو توآپ کی تبلیغ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

ہر مبلغ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کا مخاطب کون ہے؟فرد ہے یا گروہ؟ چھوٹا ہے یا بڑا ہے عقیدہ کے اعتبار کس مسلک سے تعلق رکھتا ہے ؟ مخاطبین کے سماجی حالات اور ان کی عمومی افکار کس طرح کی ہیں ؟امام علی علیہ السلام نے اپنے ہر خطبے میں مخاطب کو مدنظر رکھا ہے ۔گہری اور دقیق باتیں کبھی بھی عام لوگوں کے سامنے نہیں کیں اور جہاں کمیل جیسے اہل شخص کو دیکھا ہے وہاں توحید اور الٰہی معارف کی دقیق اور گہری باتیں کی ہیں۔اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے جنگی اور جہادی خطبات اور اپنے خاص اصحاب کے درمیان بیان کئے جانے والے خطبات میں بہت فرق ہے ۔لہٰذا مبلغین اسلام کو سب سے پہلے اپنے مخاطبین کو پہنچاناچاہیے اور پھر اُن کی اہلیت اور ظرفیت کے مطابق تبلیغ کرنی چاہیے۔

٦۔علم نفسیات کے اصولوں سے استفادہ

تبلیغی وسائل میں سے ایک موثر وسیلہ جس کے ذریعہ مبلغ مخاطب کو اپنی طرف جذب کرنے میں کامیاب ہوتا ہے علم نفسیات ہے۔ علمی اور فنی لحاظ سے علم نفسیات کے اصول کا استعمال اس زمانہ کی تخلیق ہے ، لیکن ائمہ علیہم السلام اور رہبران الٰہی کی سیرت کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ہمیشہ شیوہ تبلیغ میں علم نفسیات کے فردی اور سماجی اصول کی طرف مکمل توجہ رکھتے تھے اور امیرالمومنین علیہ السلام کی تبلیغی سیرت میں اکثر موقعوں میں یہ اصول کارفرما نظرآتا ہے۔ جیساکہ لوگوں کے احساسات بھڑکھانا، لوگوں کی توبیخ یا تشویق کرنا، کسی بات کی تکرار کرنا، دشمنوں کو ذلیل اور دوستوں کو عزت دیناوغیرہ۔یہ وہ نفسیاتی طریقے ہیں جو ایک مبلغ کو اپنا پیغام موثر انداز میں لوگوں تک پہنچانے میں مدد دے سکتے ہیں۔

۷۔عملی تبلیغ

امام علی علیہ السلام کی تبلیغ کاایک اور شیوہ، عمل کے ذریعہ تبلیغ کرنا تھا۔ امام کے اخلاق وکردار کو دیکھ کر بھی بہت سے پاک فطرت لوگ امام علیہ السلام کی طرف کھنچے ہوئے چلے آتے تھے ۔یہاں تک کہ دشمن بھی آپ کے اخلاق و رفتار سے متاثر ہوکر آپؑ سے نزدیک ہوجاتے تھے ۔اس طرح کے بہت سے واقعات تاریخ میں موجود ہیں۔لہٰذا عملی تبلیغ ہمارے ائمہ اطہار علیہم السلام کاتبلیغی شیوہ ہے جس کی پیروی کرناہر مبلغ کافرض ہے۔

۸۔اُسوۂ حسنہ کی شناخت

تبلیغ کاایک اور اہم طریقہ نمونہ عمل کی شناخت کروانا ہے۔اس شیوہ میں انسان واقعیت کو عینیت میں تبدیل کر سکتا ہے امامؑ کی اس تبلیغی روش کو دیکھنے کے لئے نہج لبلاغہ کے اُن خطبات کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے جن میں امام علیہ السلام نے رسول خداؐ حضرت موسیٰ ، حضرت عیسیٰ اور حضرت داود علیہم السلام کو نمونہ عمل کے عنوان سے پہچانوایا ہے اور ان کے اخلاقی فضائل کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ تبلیغ کے دوران اُسوۂ حسنہ شخصیات کا تعارف کرانا بہت موثر واقع ہوتا ہے جس پر عمل کرکے مبلغین اپنے دینی پیغام کو احسن انداز میں مخاطبین تک پہنچا سکتے ہیں۔

۹۔تجاہل اور بے توجہی

تبلیغ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ کہ جو زیادہ تر مواقع پر استعمال ہونا چاہیے وہ کٹ حجت اور جاہلوں سے بی توجہی ہے اس لئے کہ بعض اوقات مبلغ کوایسے افراد سے روبرو ہونا پڑتا ہے جن کے ساتھ نیکی، تواضع اور مہربانی انہیں اور کٹ حجت اور گستاخ بنا دیتی ہے امیرالمومنین علیہ السلام کے تبلیغی طریقوں میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جہاں امام علیہ السلام نے ضدی اور ہٹ دھرم افراد کے مقابلے میں تجاہل اور بے توجہی کا مظاہرہ کیا ہے۔کیونکہ ایسے لوگوں کے ساتھ اُلجھ کر مبلغ اپنا قیمتی وقت ضائع کرتا ہے اور دوسری اہم باتوں سے رہ جاتا ہے۔

میراث رسولؐ

نبی اکرمؐ کی دعائیں اور حکمت آمیز کلمات

سید منذر حکیم :

پیغمبر اکرمؐ سے منقول احادیث اور روایات میں بعض حکمت آمیز باتیں ایسی ہیں جو انسان کی زندگی بدل سکتی ہیں۔اور یہ باتیں انسانیت کی عظیم میراث شمار ہوتی ہیں۔یہی حکمتیں اور نصیحتین مسلمانوں کا عظیم سرمایہ ہیں جن پر عمل کرکے وہ دنیا اور آخرت کی سعادت حاصل کر سکتے ہیں۔ہم نے سید منذر حکیم کی سیرت پر لکھی گئی ایک تحریر سے ان حکمت آمیز فرامین رسولؐ کا انتخاب کیا ہے جو قارئین ''تبلیغ'' کی نذر کئے جاتے ہیں :

۱۔'انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق'

مجھے تو مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

۲۔'انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا' ۔

میں علم کا شہر ہوں علی اس کا دروازہ ہیں۔

۳۔'احب الاعمال الی اللہ ادومھا و ان قل' ۔

خدا کی نظر میں وہ اعمال زیادہ محبوب ہیں جن کا دوام زیادہ ہے خواہ وہ کم ہی ہوں۔

۴۔'اذا عمل احد کم عملاً فلیتقن' ۔

جب تم میں سے کوئی شخص کوئی کام انجام دے تو اسے چاہئے کہ محکم واحسن طریقہ سے انجام دے۔

۵۔'الایمان نصفان: نصف فی الصبر و نصف فی الشکر' ۔

ایمان کے دو حصے ہیں: نصف صبر اور نصف شکر۔

۶۔'استعینوا علیٰ امورکم بالکتمان' ۔

اپنے امور کی حفاظت میں، زبان بندی سے مدد لو۔

۷۔'الامانۃ تجلب الرزق و الخیانۃ تجلب الفقر' ۔

امانت داری سے روزی اور خیانت کاری سے تنگ دستی آتی ہے۔

۸۔' الایدی ثلاثۃ: سائلۃ و منفقۃ و ممسکۃ، فخیر الایادی المنفقۃ'۔

ہاتھ تین قسم کے ہیں: مانگنے والا، خرچ کرنے والااور روکنے والا ،بہترین ہاتھ خرچ کرنے والا ہے۔

۹۔'اذا ساد القوم فاسقھم وکان زعیم القوم اذلھم و اکرم الرجل الفاسق فلینظر البلاء' ۔

جب قوم کا سردار فاسق ہو اور ان کا لیڈر ذلیل ہو اور اس کا احترام کی جاتا ہوتو لوگوں کو بلا نازل ہونے کا انتظار کرنا چاہئے۔

۱۰۔'اعجل الشر عقوبۃ البغی' ۔
جس بدی کی بہت جلد سزا ملتی ہے وہ ظلم و زیادتی ہے۔

۱۱۔'الا ان شرار امتی الذین یکرمون مخافۃ شرھم۔ الا و من اکرمہ النّاس اتقاء شرہ فلیس منی'
یعنی؛ آگاہ ہو جاؤ کہ میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جن کی عزت ان کے شر سے بچنے کے لئے کی جاتی ہے۔ جان لو کہ جس شخص کے شر سے بچنے کے لئے لوگ اس کی عزت کرتے ہوں اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۲۔ ۔یعنی؛ نیکی سے آزاد شخص کو غلام بنایا جاتا ہے۔

۱۳۔" بشروا ولا تنفروا' یعنی؛ (لوگوں کو) خوش کرو متنفر نہ کرو۔

۱۴۔ 'بادر باربع قبل اربع: شبابك قبل هرمك و صحتك قبل سقمك و غناك قبل فقرك و حياتك قبل موتك۔
یعنی؛ چار چیزوں سے پہلے چار چیزوں سے فائدہ حاصل کرلو۔ اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی جوانی سے ، اپنی بیماری سے قبل اپنی تندرستی سے، اپنی ناداری سے قبل اپنی بے نیازی سے اور اپنی موت سے پہلے اپنی زندگی سے۔

۱۵۔' ثلاث من مکارم الاخلاق فی الدنیا و الآخرۃ: ان تعفو عمن ظلمك و تصل من قطعك و تحلم علی من جهل عليك۔
یعنی؛ تین چیزیں دنیاو آخرت میں مکارم اخلاق میں شمار ہوتی ہیں: جس نے تمہارے اوپر ظلم کیا ہے اسے معاف کر دو، جس نے تمہیں محروم کیا ہے اس کے ساتھ صلۂ رحم کرو اور جس نے تمہارے ساتھ جہالت آمیز سلوک کیا ہے اس سے کچھ نہ کہو۔

۱۶۔' ثلاث تخرق الحجب و تنتھی الیٰ ما بین یدی اللہ: صریر اقلام العلماء و وطئ المجاھدین و صوت مغازل المحصنات۔
یعنی؛ تین چیزیں پردوں کو چاک کر دیتی ہیں اور بارگاہ خدا تک پہنچتی ہیں ، علماء کے قلم کی آواز، (میدانِ جہاد میں) مجاہدین کی دوڑ دھوپ اور شادی شدہ عورتوں کے چرخہ کاتنے کی آواز۔

۱۷۔ثلاث تقسی القلب: استماع اللھو، و طلب الصید و اتیان باب السلطان ۔ یعنی؛ تین چیزوں سے دل سخت ہوتا ہے : گانا سننا، شکار کا پیچھا کرنا اور بادشاہ کے دروازہ پر جانا۔

۱۸۔'جبلت القلوب علیٰ: حب من احسن الیھا، وبغض من اساء الیھا۔
یعنی؛ دلوں کی جبلت یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ نیک سلوک کرنے والے سے محبت اور بد سلوکی کرنے والے سے نفرت کرے۔

۱۹۔' **حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا** ۔یعنی؛ اپنے نفسوں کا حساب کرو قبل اس کے تم سے حساب لیا جائے۔

۲۰۔**حب الدنیا رأس کل خطیئۃ** ۔ یعنی؛ ہر خطا کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔

۲۱۔الحکمۃ ضالۃ المومن راس الحکمۃ مخافۃ اللہ ۔یعنی؛حکمت مومن کاگمشدہ سرمایہ ہے۔حکمت کی معراج خوف خدا ہے۔

۲۲۔ ﷺحفت الجنۃ بالمکارہ و حفت النار بالشھوات ۔
یعنی؛جنت سختیوں میں اور دوزخ شہوتوں میں لپٹی ہوئی ہے۔

۲۳۔حسنوا اخلاقکم و الطفوا بجیرانکم و اکرموا نسائکم تدخلوا الجنة بغیر حساب، داووا امراضکم بالصدقة ۔

یعنی؛ اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ ، اپنے ہمسایوں کے ساتھ مہربانی کرو اور اپنی عورتوں کی عزت کر وتو بے حساب جنت میں داخل ہو گے، اپنے بیماروں کا صدقہ کے ذریعہ سے علاج کرو۔

۲۴۔رأس العقل بعد الایمان باللہ مداراة النّاس فی غیر ترك حق ۔ یعنی؛خدا پر ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال یہ ہے کہ حق کو چھوڑے بغیر لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔

۲۵۔سادة النّاس فی الدنیا الاسخیاء، سادة النّاس فی الآخرة الاتقیاء۔ السعید من وعظ بغیرہ ۔ یعنی؛دنیا میں لوگوں کے سردار اہل سخاوت ہیں اور آخرت میں لوگوں کے سردار اتقیاء ہیں اور نیك وہ ہے جو اپنے غیر سے نصیحت حاصل کرے۔

۲۶۔'شر النّاس من باع آخرته بدنیاہ، و شر من ذلك من باع آخرته بدنیا غیرہ۔ یعنی؛بدترین انسان وہ ہے جو اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے عوض بیچ دے اور اس سے بدتر وہ شخص ہے جو اپنی آخرت کو غیر کی دنیا کے عوض بیچ دے۔

۲۷۔طوبیٰ لمن شغله عیبه عن عیوب الناس ۔ یعنی؛خوش نصیب ہے وہ شخص کہ جس کے عیوب اسے دوسروں کی عیب جوئی سے غافل رکھتے ہیں۔

۲۸۔علیك بالجماعة فان الذئب یاخذ القاصیة ۔ یعنی؛تمہارے لئے ضروری ہے کہ جماعت کے ساتھ رہو اس لئے کہ گلہ سے بچھڑ جانے والی بکری کو بھیڑیا اچك لیتا ہے۔

۲۹۔علیکم بالاقتصاد فما افتقر قوم اقتصدوا ۔ یعنی؛تمہارے لئے لازم ہے کہ میانہ روی اختیار کرو اس لئے کہ وہ قوم کبھی مفلس و نادار نہیں ہوئی جس نے میانہ روی اختیار کی۔

۳۰۔عجبت لمن یحتمی من الطعام مخافة الداء، کیف لا یحتمی من الذنوب مخافة النار ۔ یعنی؛مجھے اس شخص پر تعجب ہے کہ جو بیماری کے خوف سے کھانے میں احتیاط کرتا ہے لیکن جہنم کے خوف سے گناہوں سے نہیں بچتا۔

۳۱۔عز المؤمن استغناؤہ عن الناس ۔ یعنی؛مومن کی عزت اس میں ہے کہ وہ لوگوں سے بے نیاز رہے۔

۳۲۔عد من لا یعودك، و اهد لمن لم یهد الیك ۔ یعنی؛جس نے تمہاری عیادت نہیں کی اس کی عیادت کرو اور جس نے تمہیں ہدیہ نہیں دیا اسے ہدیہ دو۔

۳۳۔الغنی غنی النفس ۔ یعنی؛صحیح معنی میں بے نیاز وہی ہے جو اپنے نفس سے بے نیاز ہو۔

۳۴۔'کن عالماً او متعلماً او مستمعاً او محباً، ولا تکن الخامس فتهلك۔ یعنی؛عالم یا طالب یا (عذر سے) سننے والے یا (ان تینوں کے) چاہنے والے بن جاؤ اگر ان کے پانچویں بنوگے تو ہلاك ہو جاؤ گے۔

۳۵۔لا مال اعود من العقل ۔ یعنی؛عقل سے زیادہ نفع بخش کوئی مال نہیں ہے۔

۳۶۔لا فقر اشد من الجهل ۔ یعنی؛جہالت سے بڑی مفلسی و ناداری کوئی چیز نہیں ہے۔

۳۷۔لا عقل کالتدبیر ۔یعنی؛تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں ہے
۔

۳۸۔لیس منا من غش مسلماً او ضرہ او ما کرہ۔ یعنی؛جس نے مسلمان کو دھوکا دیا یا اس کو نقصان پہنچایا یا اس کے ساتھ مکر کیا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۳۹۔من المروء ۃ اصلاح المال۔ یعنی؛مال کی اصلاح بھی جوانمردی ہے۔

۴۰۔من احب عمل قوم اشرك معهم فی عملهم ۔ یعنی؛جو شخص کسی قوم کے عمل کو پسند کرتا ہے وہ اس کے عمل میں شریک ہوتا ہے۔

۴۱۔من احب قوماً حشر معهم۔ یعنی؛جو شخص کسی قوم سے محبت کرتا ہے وہ اسی کے ساتھ محشور ہوگا۔

۴۲۔من عمل بما علم ورثه الله ما لم یعلم۔ یعنی؛ جو شخص اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے خدا اسے اس چیز کا وارث بنا دیتا ہے جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

۴۳۔ من اعان ظالماً علیٰ ظلمه سلطه الله علیه۔ یعنی؛ جو شخص ظلم میں ظالم کی مدد کرتا ہے خدا اس پر ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔

۴۴۔من یصلح ما بینه و بین الله یصلح الله ما بینه و بین الناس۔ یعنی؛جو شخص ان چیزوں کی اصلاح کر تا ہے جو اس کے اور خدا کے درمیان ہیں تو خدا اس کے اور لوگوں کے درمیان کی چیزوں کی اصلاح کرتا ہے۔

۴۵۔من لا یرحم لا یرحم ۔ یعنی؛جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

۴۶۔من غش غُشّ۔ یعنی؛ جو دھوکا دیتا ہے وہ دھوکا کھاتا ہے
۔

۴۷۔من تساوی یوماہ فهو مغبون۔ یعنی؛جس شخص کے دو دن یکساں گذریں وہ گھاٹے میں ہے۔

۴۸۔ما عال من اقتصد۔ یعنی؛ میانہ روی اختیار کرنے والا کبھی تنگ دست نہیں ہوتا۔

۴۹۔المؤمن من امن النّاس من یده ولسانه۔ یعنی؛ مومن تو بس وہی ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہتے ہیں۔

۵۰۔ المسلم من سلم النّاس من اذاہ۔ یعنی؛مسلمان وہ ہے جس کی اذیتوں سے لوگ محفوظ و سالم رہتے ہیں۔

۵۱۔ المجالس بالامانة۔ یعنی؛مجالس کا اعتبار امانتداری کے ساتھ ہے۔

۵۲۔المسلم مرآۃ لاخیه المسلم۔ یعنی؛مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے آئینہ ہے۔

۵۳۔المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یثلمه۔ یعنی؛ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ستاتا ہے۔

۵۴۔ المستشار موتمن۔ یعنی؛جس سے مشورہ لیا جاتا ئے وہ امانت دار ہونا چاہئے۔

۵۵۔ما هلك امرؤ عرف قدر نفسه۔ یعنی؛جو اپنی قدر و منزلت جانتا ہے وہ ہلاک نہیں ہوتا۔

۵۶۔من تفاقر افتقر۔ یعنی؛جوغربت کا اظہار کرتا ہے وہ غریب ہوجاتا ہے۔

۵۷۔من عمل علیٰ غیر علم کان ما یفسد اکثر ما یصلح۔ یعنی؛جس نے علم کے بغیر عمل کیا اس نے فائدہ سے زیادہ نقصان اٹھایا۔

۵۸۔من اذاع فاحشۃً کان کمبدھا۔ یعنی؛ جس شخص نے زنا کی خبر کو عام کیا گویا اس نے خود زنا کیا۔

۵۹۔و من عیر مومناً بشیء لم یمت حتی یر کبہ۔ یعنی؛جس شخص نے کسی مومن پر کسی چیز کی تہمت لگائی وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک خود اس کا مرتکب نہیں ہوگا۔

۶۰۔من عد غداً من اجلہ فقد اساء صحبۃ الموت۔ یعنی؛جو شخص آنے والے کل کو اپنی عمر کا جز سمجھتا ہے گویا وہ موت پر یقین نہیں رکھتا۔

۶۱۔من ارضیٰ سلطاناً بما یسخط اللہ خرج من دین اللہ۔ یعنی؛جس شخص نے خدا کو ناراض کرکے کسی بادشاہ کو خوش کیا وہ دین خدا سے نکل گیا۔

۶۲۔مداراۃ النّاس نصف الایمان و الرفق بھم نصف العیش۔ یعنی؛لوگوں کی خاطرمدارات کرنا نصف ایمان ہے اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنا نصف زندگی ہے۔

۶۳۔یسروا ولا تعسروا۔ یعنی؛آسانی فراہم کرو دشواری نہیں۔

۶۴۔یطبّع المؤمن علیٰ کل خصلۃ ولا یطبع علیٰ الکذب ولا علیٰ الخیانۃ۔ یعنی؛مومن میں ہر خصلت ہو سکتی ہے لیکن جھوٹ اور خیانت نہیں ہو سکتی۔

۶۔آپ کی چند دعائیں

الف۔یہ دعاآپ ماہ رمضان میں پڑھتے تھے:

اللّٰھم ادخل علیٰ اھل القبور السّرور،اللّٰھم اغن کل فقیر، اللّٰھم اشبع کل جائع، اللّٰھم اکس کل عریان، اللّٰھم اقض دین کل مدین، اللّٰھم فرِّج عن کل مکروب، اللّٰھم رد کل غریب، اللّٰھم فُکِّ کل اسیر، اللّٰھم اصلح کل فاسد من امور المسلمین، اللّٰھم اشف کل مریض، اللّٰھم سد فقرنا بغناك، اللّٰھم غیرِّ سوء حالنا بحسن حالك، اللّٰھم اقضِ عنّا الدّین و آغنِنا من الفقر انّك علیٰ کل شیء قدیر۔

اے اللہ! اہل قبر کو شاد و مسرور فرما۔ اے اللہ! ہر مفلس و نادار کو مالامال کر دے، اے اللہ! ہر بھوکے کو شکم سیر کر، اے اللہ! ہر برہنہ کو لباس عطا کر، اے اللہ! ہر مقروض کا قرض ادا کرا، اے اللہ! ہر رنجیدہ و پریشان کو آسودہ گی و کشائش عطا کر، اے اللہ! ہر مسافر کو وطن لوٹا، اے اللہ! ہر قیدی کو رہائی دلا،اے اللہ! مسلمانوں کے خراب امور کی اصلاح کر، اے اللہ! مریض کو شفا عطا کر، اے اللہ! اپنی بے نیازی سے ہماری ناداری کا سد باب کر، اے اللہ! اپنے بہترین حالات کے ذریعہ سے ہمارے برے حالات کو بدل دے، اے اللہ! ہمارا قرض ادا کر اور ہمیں فقر سے نجات دلا کر غنی کر دے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ب۔یہ دعاآپ نے جنگ بدر میں پڑھی تھی:

اللّٰھم انت ثقتی فی کل کرب، و انت رجائی فی کل شدۃ، و انت لی فی کل امر نزل بی ثقۃ و عدہ، کم من کرب یضعف عنہ الفؤاد و تقل فیہ الحیلۃ، و یخذل فیہ القریب، و یشمت بہ العدو، و تعیینی فیہ الامور، انزلتہ بك و شکوتہ الیك راغباً فیہ الیك عمن سواك ففرجتہ و کشفتہ عنی و کفیتنیہ،

فانت ولی کل نعمة، و صاحب کل حاجة، و منتهٰی کل رغبة، فلك الحمد کثیراً ولك المن فاضلاً۔

اے اللہ! ہر رنج و پریشانی میں تو ہی میرا سہارا ہے ، ہر سختی میں تو ہی میری امید ہے اور جو مصیبت مجھ پر پڑتی ہے اس میں تو ہی میری پناہ گاہ ہے ، کتنے ہی رنج و غم ایسے ہیں جن سے دل دہل جاتے ہیں اور تدبیر ساتھ نہیں دیتی ، ایسے حالات میں قریب والے بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، دشمن طعنہ زنی کرتے ہیں، اس موقعہ پر میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں اور سب کو چھوڑ کر تجھ سے لو لگاتا ہوں۔ تو نے غم سے نجات دی اور کشائش عطا فرمائی، اے معبود !ہر نعمت تیری ہی ہے ، ہر حاجت تجھ ہی سے بیان کی جا سکتی ہے، ہر آرزو کی انتہا تو ہے۔ بے پناہ حمد تیرے لئے ہے اور احسان کا سر چشمہ تو ہے۔

ج۔ جنگ خندق کے دن آپ نے یہ دعا پڑھی تھی:

یا صریخ المکروبین و یا مجیب دعوة المضطرین اکشف عنّی همّی و غمّی و کربی فانك تعلم حالی و حال اصحابی فاکفنی حول عدو فانه لا یکشف ذلك غیرك۔

اے غم زدہ و رنجیدہ لوگوں کے فریاد رس !اے مضطر و پریشان حال لوگوں کی دعا قبول کرنے والے ! میرے رنج و غم اور کرب کو برطرف کر دے بیشک تو میری اور میرے اصحاب کی حالت سے بخوبی واقف ہے پس میرے دشمن کے خلاف میری مدد فرما بیشک تیرے علاوہ کوئی بھی اس مشکل کو حل نہیں کر سکتا۔

د۔ آپ نے اپنے اصحاب کو دشمن کے شر سے بچنے کے لئے درج ذیل دعا تعلیم کی۔

سید بن طاؤس نے اس دعا کو اس طرح نقل کیا ہے :

یا سامع کلِّ صوت، یا محیی النُّفُوس بعد الموت، یا من لا یعجل لانّه لا یخاف الفوت، یا دائم الثبات، یا مخرج النبات یا محیی العظام الرمیم الدارسات۔ بسم الله، اعتصمت بالله و توکلت علی الحی الذی لا یموت، و رمیت کل من یؤذینی بلا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔

اے ہر آواز کو سننے والے! اے انسانوں کو مرنے کے بعد زندہ کرنے والے! اے وہ جو کسی کام میں اس لئے عجلت نہیں کرتا اس لئے کہ اسے اس کام کے چھوٹنے کا خوف نہیں ہے ، اے ہمیشہ سے قائم، اے وہ جو اشجار نبات ، پیڑ پودوں کو اگانے والے! اے بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنے والے !اس اللہ کے نام سے تمسک کرتا ہوں اور اس زندہ پر توکل کرتا ہوں جس کو کبھی موت نہیں آئے گی، میں بلند و برتر خدا کے وسیلہ سے جس کے علاوہ کوئی طاقت نہیں ہے ، ہر اس شخص کو پست کرتا ہوں جو مجھے اذیت دیتا ہے۔

ہ۔ آپ کی وہ دعا جو آپ ؐ نے حضرت علی بن ابی طالبؑ کو قرض کی ادائیگی کے لئے تعلیم دی تھی:

اللھم اغننی بحلالك عن حرامك و بفضلك عمن سواك۔

یعنی؛ اے اللہ مجھے اپنی حلال چیزوں کے ذریعہ اپنی حرام کی ہوئی چیزوں سے بے نیاز کر دے اور اپنے فضل و کرم سے اپنے غیر سے بے نیاز کر دے۔

و۔ درج ذیل دعا آپ اس وقت پڑھتے تھے جب آپ کے سامنے دستر خوان لگایا جاتا تھا:

سبحانك اللّٰھم ما احسن ما تبتلینا، سبحانك اللّٰھم ما اکثر ما تعطینا، سبحانك اللّٰھم ما اکثر ما تعافینا، اللّٰھم اوسع

علینا و علیٰ فقراء المومنین و المسلمین ۔ یعنی؛اے اللہ ! تو پاک اور لائق تسبیح ہے ، تونے ہمیں کتنی اچھی نعمتیں عطا کی ہیں ۔اے اللہ! تو پاک و پاکیزہ ہے تونے ہمیں کتنی زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے ۔اے اللہ !تو پاک و پاکیزہ ہے تونے ہمیں کتنی عافیت عطا کی ہے۔اے اللہ !ہمیں اورتمام مومنین و مسلمین میں سے جو نادار ہیں ان کی نعمتوں میں وسعت عطا کر۔آخر میں ہماری دعا یہ ہے کہ ساری تعریف اس خدا کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے۔

افکار رہبر

پیغمبر اسلامؐ، ایک ہمہ گیر اور جامع شخصیت

رہبر معظم آیت اللہ اعظمیٰ سیّد علی حسینی خامنہ ای مدظلہ العالی

پیغمبر ختمی المرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت ایسی ہمہ گیر اور جامع شخصیت ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ناممکن ہے، ہر شخص اور محقق اپنی استعداد کے مطابق اس بحر مواج میں غوطہ زن ہو کر معرفت کے گوہر حاصل کرتا ہے، قائد انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی سید علی خامنہ ای نے مختلف مواقع پر اپنی تقاریر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی، تقاریر کے متعلقہ اقتباسات پیش نظر ہیں۔

الف :امت اسلامیہ کی یکجہتی کا محور:

پیغمبر اسلام (ص) کی شخصیت عالم خلقت کا نقطہ کمال اور عظمتوں کی معراج ہے۔ خواہ کمالات کے وہ پہلو ہوں جو انسان کے لئے قابل فہم ہیں جیسے انسانی عظمت کے معیار کے طور پر عقل، بصیرت، فہم، سخاوت، رحمت اور درگذر وغیرہ کے عنوان سے جانے جاتے ہیں خواہ وہ پہلو ہوں جو انسانی ذہن کی پرواز سے ماورا ہیں یعنی وہ پہلو جو پیغمبر اسلامؐ کو اللہ تعالی کے اسم اعظم کے مظہر کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں یا تقرب الہی کے آپ کے درجات کی جانب اشارہ کرتے ہیں، کہ ہم ان پہلوؤں کو کمالات کا نام دیتے ہیں اور اتنا ہی جانتے ہیں کہ یہ کمالات ہیں لیکن ان کی حقیقت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے خاص اولیا ہی آگاہ ہیں۔ یہ ان کی شخصیت تھی اور دوسری طرف ان کا لایا ہوا پیغام انسانی سعادت کے لئے سب سے عظیم اور بہترین پیغام ہے جو توحید، انسان کی عظمت و سربلندی اور انسانی وجود کے کمال و ارتقا کا حامل ہے اور یہ کہنا بجا ہے کہ انسانیت آج تک اس پیغام کے تمام پہلوؤں کو بطور کامل اپنی زندگی میں نافذ نہیں کر سکی ہے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ انسانی ترقی اور کمال ایک نہ ایک دن اپنے مطلوبہ مقام تک ضرور رسائی حاصل کرے گا اور یہی انسانیت کا نقطہ عروج و کمال ہوگا۔

البتہ اس مفروضہ کی بنیاد پر کہ انسانی سوچ اور فکر اور اسکا علم وادراک روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ اسلام کا پیغام زندہ و جاوید ہے کوئی وجہ نہیں کہ ایک

نہ ایک دن یہ پیغام انسان کی معاشرتی زندگی میں اپنا مقام حاصل نہ کر لے۔ نبی اکرمؐ کے پیغام توحید کی حقانیت،اسلام کا درس زندگی اور انسانی سعادت اور ترقی کے لئے اسلام کے بیان کردہ زریں اصول انسان کو اس مقام پر پہنچا دیں گے کہ وہ اپنی گمشدہ منزل تلاش کر لے اور پھر اس راہ پر گامزن ہو کر ترقی اور کمال کی منازل طے کرے۔ وہ چیز جو ہم مسلمانوں کے لئے اہم ہے وہ یہ کہ اسلام اور پیغمبر(ص) کی زیادہ سے زیادہ شناخت و معرفت حاصل کریں، آج دنیائے اسلام کا سب سے بڑا درد فرقہ واریت ہے۔ عالم اسلام کی یکجہتی اور اتحاد کا محور پیغمبراسلام(ص)کے مقدس وجود کو قرار دیا جا سکتا ہے جن پر تمام مسلمانوں کا ایمان ہے اور جو تمام انسانوں کے احساسات کا مرکزی نقطہ ہیں۔ ہم مسلمانوں کے پاس پیغمبراسلام(ص)کے مقدس وجود سے بڑھ کر کوئی ایسا جامع اور واضح نقطہ اتحاد نہیں ہے کہ جس پر تمام مسلمانوں کا ایمان و اعتقاد بھی ہو اور جن کے وجود سے سب مسلمانوں کا اندرونی اور قلبی رشتہ بھی ہو اور یہی نقطہ اتحاد کا بہترین مرکز و محور ہے۔ یہ کوئی اتفاق نہیں ہے جو ہم ادھر چند سالوں میں مشاہدہ کر رہے ہیں کہ قرون وسطی کی طرح مستشرقین نے آنحضرتؐ کے وجود مقدس پر اہانت آمیز تنقید و تبصرے کرنا شروع کر دیا ہے۔

قرون وسطی میں بھی عیسائی پادریوں نے اپنی تحریروں، تقریروں اور نام نہاد آرٹ کے فن پاروں میں جب مستشرقین کی تاریخ نویسی کا آغاز ہوا تھا، پیغمبر(ص) کی شخصیت کو نشانہ بنایا۔ گذشتہ صدی میں بھی ہم نے ایک بار پھر دیکھا کہ مغرب کے غیر مسلم مستشرقین نے جس چیز کو شک و شبہے اور جسارت و اہانت کا نشانہ بنایا تھا وہ پیغمبراسلام(ص) کی مقدس شخصیت تھی۔ اب کئی سال گذرنے کے بعد ان حالیہ سالوں میں ہم پھر دیکھ رہے ہیں کہ میڈیا اور نام نہاد ثقافتی لٹریچر کے ذریعہ دنیا کے مختلف مقامات پر آپؐ کی شخصیت پر ایک بار پھر حملے کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔

یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت ہو رہا ہے کیونکہ انہوں نے اس حقیقت کو بھانپ لیا ہے کہ مسلمان اسی مقدس شخصیت کے وجود پر جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سے تمام مسلمانوں کو عشق اور والہانہ محبت ہے لہٰذا انہوں نے اسی مرکز کو حملے کا نشانہ بنایا۔ آج علمائے اسلام اور مسلمان دانشوروں، مصنفین، شعرا اور اہل فن حضرات سب کی ذمہ داری ہے کہ ان سے جتنا بھی ممکن ہو پیغمبر اسلامؐکی شخصیت کے عظوم پہلوؤں کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے سامنے بیان کریں ان افراد کا یہ کام امت اسلامیہ کے اتحاد میں اور ان مسلم نوجوانوں کی رہنمائی میں جو اسلام کی طرف بڑی شدت سے راغب نظر آ رہے ہیں، بہت زیادہ مددگار ثابت ہوگا۔

۱۷ربیع الاول کی مناسبت سے حکومتی عہدہ داروں سے خطاب کا اقتباس :

امام خمینی(رہ) کی با بصیرت نظر کی بدولت اسلامی انقلاب کا ایک فیض یہ ہے کہ میلاد النبی(ص)کے ایام کو ہفتہ اتحاد کا نام دیا گیا۔ اس لحاظ سے بھی اس مسئلہ کی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی کہ بہت سے لوگوں کی دیرینہ خواہش تھی کہ اسلامی اتحاد کے لیے کام کیا جائے۔ بعض لوگ تو صرف بات کی حد تک کوئی نظریہ دیتے ہیں لیکن بعض لوگوں کی واقعی دیرینہ خواہش تھی بہرحال اس آرزو اور خواہش کی تکمیل کے لیے عملی اقدام ضروری تھا کیونکہ کوئی خواہش بغیر عملی جدوجہد کے

پوری نہیں ہو سکتی۔جب ہم نے اس سمت میں عملی اقدامات اور مطلوبہ مقصد تک پہنچنے کی راہ کے بارے میں سوچا تو اس محور کے طور پر جو بہترین اور عظیم ترین شخصیت ہمارے سامنے جلوہ گر ہوئی۔وہ فخر کائنات حضرت محمد مصطفیؐ کی ذات تھی کہ جنکی مرکزی حیثیت دنیا تمام مسلمانوں کے عقائد وافکار کا سرچشمہ ہے۔

اسلامی دنیا میں وہ نقطہ جس پر سب متفق ہوں اور سب کے عقائد اور جذبات و احساسات کی ترجمانی بھی ہو جائے شاید میسر نہ آسکے یا ہو تو شاذ و نادر ہی ہو کیونکہ جذبات کا انسانی زندگی میں خاص کردار ہے اور یقینا بعض وہ اقلیتیں جو مسلمانوں سے علیحدہ ہو گئی ہیں ان کے درمیان کچھ جذبات کو زیادہ اہمیت نہیں دیتیں اور عشق و محبت یا توسل اور وسیلے کی منکر ہیں پھر بھی عام مسلمانوں کے لئے پیغمبر اسلامؐ سے محبت اور عشق و عقیدت دین کا ایک لازمی عنصر ہے لہذا آپ کا وجود مبارک وحدت کا بہترین محور بن سکتا ہے۔

مسلمانوں اور مسلم دانشوروں کو چاہیئے کہ وہ پیغمبر اسلامؐکی شخصیت، آپ کی تعلیمات اور آپ سے عشق ومحبت کے موضوع کے سلسلے میں وسیع النظری سے کام لیں۔ان عوامل میں جو اتحاد و یکجہتی کے لیے محور قرار پا سکتے ہیں اور تمام مسلمان جن پر متفق ہو سکتے ہیں اہلبیت پیغمبر(ع) کی اطاعت اور پیروی بھی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کے اہلبیت(ع) کی عظمت کو تمام مسلمان قبول کرتے ہیں البتہ شیعہ ان کی امامت کے بھی قائل ہیں اور غیر شیعہ ان کو شیعی نقطہ نگاہ کی طرح امام منصوص نہیں مانتے پھر بھی انہیں پیغمبراسلامؐکے عظیم خاندان سے اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام سے کما حقہ آشنا اسلام کی عظیم شخصیات میں سمجھتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اہلبیت پیغمبر(ع) کے فرامین پر عمل کے دائرے میں متفق ہو جائیں۔یہ وحدت و یکجہتی کا بہترین وسیلہ ہے۔

پیغمبراسلامؐ کی میلاد کے ایام ہر مسلمان کے لئے تاریخ کے سنہری مواقع ہیں۔اسی ولادت کی برکت سے تاریخ بشریت نے ایک نیا رخ اختیار کیا،کائنات کی ہر فضیلت کا سرچشمہ آپ(ص)کی بعثت اور مکارم اخلاق ہیں ہر مسلمان اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ دنیائے اسلام کی محبتوں کا مرکز اور مسلمانوں کے مختلف مذاہب ومکاتب کا محور حضرت محمد مصطفیؐ کا مقدس وجود ہے چونکہ تمام مسلمانوں کو آپ سے عشق ہے لہٰذا آپ تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں کے لئے نقطہ اتحاد رہے ہیں۔اسی لیے آپ کے ایام ولادت مبارک بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

اسلامی یکجہتی عالمی کانفرنس کے شرکا اور عمائدین مملکت سے خطاب سے اقتباس :

مسلمانوں کے اتحاد کا مرکزی نقطہ پیغمبر اسلامؐ ہیں اور آپ کی عظیم شخصیت،آپ کا اسم مبارک، محبت، کرامت اور عظمت امت اسلامی کی فکری یکجہتی کا مرکز ہے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کا وجود ذی جود امت اسلامیہ کی ہر فرد کے لئے پوری تاریخ اسلام میں وحدت کا محور رہا ہے۔

دین اسلام کا کوئی ایسا عنوان نہیں ہے جو آپؐکے مقدس وجود کی طرح ہر لحاظ سے عقل کی راہ ہو یا عشق و محبت کی، روحانی اور معنوی پہلو ہو یا اخلاقی،تمام اسلامی مکاتب کے لئے قابل قبول ہو۔یہی وہ مرکزی محور اور نقطہ ہے جو ہمہ گیر ہے ورنہ

قرآن وکعبہ اور واجبات وعقائد سب مشترک ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک انسانی شخصیت کے ایک پہلو مثلا عقائد، محبت، روحانی میلان، کردار وغیرہ سے متعلق ہیں اور مذکورہ مفاہیم مسلمانوں کے مابین مختلف تشریحات اور تفاسیر کے حامل ہیں لیکن وہ چیز جو تمام مسلمانوں میں فکری واعتقادی بالخصوص جذبات و احساسات کے حوالے سے اتحاد و یکجہتی کا محور بن سکتی ہے، خود پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفٰیؐ کا مبارک وجود ہے۔اسکی اہمیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اور اس محبت میں روز بروز آگے بڑھنے کی ضرورت ہے اور آپ کے مقدس وجود کی طرف معنوی اور روحانی رجحان کو مسلمانوں اور اقوام عالم کی ہر فرد کے ذہن میں اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔آج آپ دیکھ سکتے ہیں کہ دشمن کی اسلامی تہذیب کے خلاف سازشوں کے دھارے کا سب سے بڑا نشانہ پیغمبر اسلامؐ کا نورانی وجود ہے (مرتد رشدی کی) شیطانی آیات نامی کتاب میں بھی جس حساس نقطہ کو نشانہ بنایا گیا ہے، حضرت محمد مصطفٰی (ص)کی ذات اور صفات ہیں اور دشمن کی اس گندی سازش سے معلوم ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کے عقائد اور احساسات کے کس محور پر نظر گڑائے ہوئے ہے۔

عید میلاد مصطفیٰؐ کے تقاضے

از: محمد علی نقوی

اے نبی! مسلمانوں سے کہہ دیجئے! اگر تمہیں اپنے باپ، اپنے بیٹے، اپنے بھائی، اپنی بیویاں، اپنے کنبے والے اور وہ اَموال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور تمہاری حویلیاں جو تمہیں پسند ہیں؛ اللہ، اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا امر لے آئے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن رشتوں کا ذکر کیا ہے، ان سے انسان کو فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ اس لئے انہی چیزوں سے مومنوں کے ایمان کا امتحان لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ واضح فرما رہے ہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت، ماں باپ اور دیگر عزیز و اقارب سے زیادہ ہو، تب ہی ایمان کا دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے۔ اگر یہ رشتہ دار اور کمائے ہوئے مال اور دنیا کی زمین و جائیداد، تجارت اور پسندیدہ مال خدا اور رسولؐ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب و مرغوب ہیں تو خدا کے عذاب کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

محبت اگر قرابت داری کی بنیاد پر ہو تو "طبعی محبت" کہلاتی ہے اور اگر کسی کے جمال و کمال یا احسان کی وجہ سے ہو تو "عقلی محبت" کہلاتی ہے اور اگر یہ محبت مذہب کے رشتے کی بنیاد پر ہو تو "روحانی محبت" یا "ایمان کی محبت" کہلاتی ہے۔ رسول اللہؐ کے ساتھ "محبتِ طبعی" بھی ہے، عقلی بھی ہے اور روحانی بھی۔ محبت کے اسباب میں سے ایک سبب کمال بھی ہے اور جمال بھی، خواہ یہ ظاہری ہو یا باطنی۔ آپ کا کمال و جمال ظاہری بھی تھا اور باطنی بھی۔ شکل و صورت میں بھی آپ سب سے حسین تھے، جیسا کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:

"کان مثل الشمس والقمر -آپ کا چہرہ آفتاب و ماہتاب جیسا تھا۔" (مسند احمد: ۱۰۴/۵)

ربیع بنت معوذ آپؐ کے بارے میں فرماتی ہیں: "لورأیت الشمس طالعة ۔ (مجمع الزوائد: ۲۸۰/۸)

اگر تم رسول اللہ کو دیکھتے تو ایسے سمجھتے جیسے سورج نکل رہا ہے۔"

آپ کے باطنی جمال و کمال کا کیا کہنا، آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم النّبیین، سید المرسلین، امام الاوّلین و الآخرین اور رحمتہ للعالمین بنایا۔ آپ کے احسانات اُمت پر بے حد و حساب ہیں،

بلکہ آپ محسن انسانیت ہیں۔ صاحبِ جمال و کمال کے ساتھ محبت رکھنا اور محبت کا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ تاریخ میں بہت سے لوگ اپنے کمالات کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ حاتم طائی، اپنی سخاوت؛ نوشیرواں اپنے عدل و انصاف؛ سقراط و بقراط و افلاطون، اپنی دانائی و حکمت کی بنا پر مرجع خلائق اور لائق محبت تھے۔ مگر آپ ؐ کے جملہ کمالات ان سب سے کئی گنا بڑھ کر تھے، حتیٰ کہ تمام انبیاء (علیہم السلام) میں جو جو خوبیاں تھیں، وہ تنہا آنحضورؐ کی ذاتِ اقدس میں تھیں۔

بقولِ شاعر

حسن یوسف، دم عیسٰی، ید بیضا داری
آنچہ خوباں همه دارند، تو تنہا داری!

رسول اللہؐ کے ساتھ سچی محبت کے کچھ یہی تقاضے ہیں، جن میں سے کچھ تو ایسے اُمور ہیں جنہیں بجا لانا ضروری ہے اور کچھ ایسے جن سے اجتناب ضروری ہے۔

ہم چند تقاضوں کو بیان کرتے ہیں:

ایمان کامل کے لئے رسول اللہؐ کی صرف ظاہری اطاعت ہی نہیں بلکہ قلبی تسلیم و رضا بھی ضروری ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

(فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) (النساء: ۶۵)

"نہیں، تمہارے ربّ کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہوسکتے، جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں، بلکہ دل و جان سے اسے تسلیم کر لیں۔"

صدر اسلام سے لیکر آج تک جن لوگوں نے کہیں بھی رسول خداؐ کے فیصلوں اور احکام کو نہیں مانا، چاہے اس وقت جب آپ قلم دوات مانگ رہے تھے یا آپ اعلان غدیر پر عملدرآمد کی بات کر رہے تھے۔ یہ ہماری انتہائی کم نصیبی ہے کہ ہم نے حبِ رسولؐ کو محض میلاد کی محفل منعقد کرنے اور ذکر رسولؐ بیان کرنے کی حد تک محدود سمجھ لیا اور اطاعت و اتباع رسولؐ سے بالکل تہی دامن ہوگئے، اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم حضور پاکؐ کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو غور سے پڑھیں، سیکھیں، اُسوۂ حسنہ پر عمل کا وہی جذبہ تازہ کریں جو قرونِ اولیٰ میں تھا۔ انہوں نے سچے جذبے، عزم اور خلوصِ نیت کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی اختیار کی تو قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے قدموں میں تھے۔

حبِ رسولؐ کے دعویداروں سے یہ بات پھر عرض کرنا ہے کہ اتباعِ سنت اور اطاعتِ رسولؐ صرف چند عبادات تک محدود نہیں بلکہ یہ اطاعتِ رسولؐ ساری کی ساری زندگی پر محیط ہے۔ نماز کی ادائیگی میں جس طرح اتباع سنت مطلوب ہے، اسی طرح اخلاق و کردار میں بھی اتباع سنت مطلوب ہے۔ جس طرح روزے اور حج کے مسائل میں اتباع سنت ہونی چاہیۓ، اسی طرح کاروبار اور باہمی لین دین میں بھی یہ مطلوب ہے۔ ایصال ثواب، زیارت قبور، شادی بیاہ، خوشی و غمی ہر موقع پر اتباع سنت ضروری ہے۔ دشمن کے خلاف جہاد

ہو یا حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا معاملہ ہو، سنت رسولؐ ہر جگہ جاری ہونی چاہیئے۔

ہر سال ربیع الاول کا مہینے رحمتوں، برکتوں اور روحانی نعمتوں کا تحفہ لے کر آتا ہے اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کی زندگی میں نئی روح پھونکنے کا ذریعہ بنتا ہے، لیکن یہ حقیقت بھی ہر لمحے سامنے رکھنا ضروری ہے کہ حبِ رسولؐ کا تعلق نہ کسی خاص مہینے سے ہے، نہ کسی خاص مقام اور موسم سے۔ یہ تو وہ سدا بہار کیفیت ہے جو ایمان کے لمحے لمحے سے زندگی کے آخری سانس تک مومن کا سرمایۂ زیست ہے، شرط ایمان ہے۔

رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای آج کے دن کی مناسبت سے فرماتے ہیں "آج کا دن سترہ ربیع الاول کا دن نبی مکرم کی ولادت کا دن تاریخ انسانیت میں بشر کی سب سے بڑی عید کا دن قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بشریت اور تاریخ بشریت کو اس عظیم انسان کے تحفے سے نوازا اور اس عظیم ہستی نے الہی مہم کے تمام تر تقاضے پورے کئے۔

آج ہم مسلمان اگر پیغمبر اکرمؐ کی شخصیت پر اپنی توجہ مرکوز کر لیں، اس کے بارے میں غور و خوض کریں، اس سے درس حاصل کرنے کی کوشش کریں تو ہمارے دین و دنیا کے لئے یہی کافی ہوگا۔ اپنے وقار رفتہ کی بحالی کے لئے اس وجود پر نگاہوں کو مرکوز کرنا، اس سے درس لینا اور اس سے سیکھنے کی کوشش کرنا ہی کافی ہوگا۔ یہ شخصیت مظہر علم تھی، دیانتداری کا آئینہ تھی، اخلاق کا مجسمہ تھی، انصاف کا معیار تھی۔

انسان کو اور کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے؟ انسانی ضرورتیں تو یہی چیزیں ہیں۔ یہ ایسی انسانی ضرورتیں ہیں جو پوری تاریخ بشر میں کبھی تبدیل نہیں ہوئی ہیں۔ آغاز خلقت سے تاحال انسانوں کی زندگی میں بے شمار تغیرات پیدا ہوئے، تبدیلیاں آئیں، جن سے زندگی کے حالات، زندگی کے امور دگرگوں ہوکر رہ گئے، لیکن بشر کے اصلی مطالبات اور احتیاجات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ انسان روز اول سے ہی سکون اور ذہنی آسائش کی فکر میں تھا، انصاف کی تلاش میں تھا، اخلاق حسنہ کی جستجو میں تھا، خالق ہستی سے مستحکم رابطے کا متمنی تھا، یہی بشریت کی اصلی ضرورتیں ہیں، اور ان ضرورتوں کا سرچشمہ اس کی فطرت و سرشت ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ان تمام خصوصیات کی آئینہ دار ہے۔ ہم مسلم امہ کو آج ان تمام خصوصیات کی ضرورت ہے۔

امت اسلامیہ کو آج علمی پیشرفت کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل اطمینان رکھنے کی ضرورت ہے۔ آپس میں صحت مند روابط اور اخلاق حسنہ کی ضرورت ہے۔ ہمیں آپس میں برادرانہ رویہ اختیار کرنا چاہیئے، چشم پوشی اور درگزر سے کام لینا چاہیئے۔ ان تمام خصوصیات کا بھرپور آئینہ پیغمبر اکرم کی ذات ہے۔ آپ کا علم، آپ کا حلم، آپ کی چشم پوشی، آپ کی رحمدلی، کمزور طبقے کے لئے آپ کی شفقت، معاشرے کے تمام افراد کے حوالے سے آپ کا عدل و انصاف، ان تمام خصوصیات کا مجسمہ پیغمبر اکرمؐ کی شخصیت ہے۔ ہمیں پیغمبرؐ سے درس لینا چاہیئے، ہمیں ان خصوصیات کی ضرورت ہے۔

آج ہمیں اللہ تعالیٰ پر اپنا یقین پختہ کرنے کی ضرورت ہے، اللہ پر اطمینان رکھنے کی ضرورت ہے، اللہ کے وعدوں پر بھروسہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے، فرمایا ہے کہ اگر مجاہدت کروگے، اگر محنت کروگے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں منزل مقصود تک پہنچائے گا اور تم استقامت کے زیر سایہ اپنے اہداف حاصل کر لوگے۔ دنیاوی خواہشات کے مقابل ہماری قوت ارادی میں تنزلزل نہیں پیدا ہونا چاہیئے، مال و مقام کے معاملے میں اسی طرح دوسرے گوناگوں وسوسوں کے سامنے ہماری بے نیازی میں کوئی کمزوری نہیں پیدا ہونی چاہیئے۔ یہی چیزیں انسانیت کو کمالات کے مقام اوج پر پہنچاتی ہیں، کسی بھی قوم کو وقار کی بلندیوں پر پہنچا سکتی ہیں، کسی بھی معاشرے کو حقیقی سعادت و کامرانی سے ہمکنار کرسکتی ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کی شدید احتیاج ہے اور ان صفات کا مرقع ہمارے پیغمبر کی ذات ہے۔

ہمارے نبی مکرمؐ کی پوری زندگی ایسی ہے، آپ کا بچپن بھی دیدنی ہے، آپ کی نوجوانی کا دور بھی اور بعثت سے قبل کے سال بھی بے مثال ہیں۔آپ کی دیانتداری کا یہ عالم ہے کہ پورا قبیلہ قریش اور آپ سے واقفیت رکھنے والا ہر عرب آپ کو امین کے لقب سے یاد کرتا تھا۔لوگوں کے بارے میں آپ کا انصاف، آپ کی عادلانہ نگاہ ایسی ہے کہ جب حجر الاسود کو نصب کرنے کا موقعہ آتا ہے اور عرب قبائل اور گروہوں میں تصادم کی نوبت آجاتی ہے، تنازعہ کھڑا ہو جاتا ہے تو فیصلے کے لئے آپ کا انتخاب کرتے ہیں، حالانکہ اس وقت آپ نوجوانی کے دور میں تھے۔ یہ آپ کی انصاف پسندی ہے، جس کے سب معترف تھے۔آپ کو صادق و امین مانتے تھے۔ یہ آپ کی نوجوانی کا دور ہے۔

اس کے بعد بعثت کا دور آیا تو آپ کا ایثار، آپ کی مجاہدت اور آپ کی استقامت سامنے آئی۔اس دور میں سارے لوگ آپ کے مخالف تھے، آپ کے خلاف محاذ آرائی کر رہے تھے، آپ کے برخلاف سمت میں حرکت کر رہے تھے، آپ کی دشمنی پر تلے ہوئے تھے، کتنی سختیاں پڑیں، مکہ کے تیرہ سال کتنی دشواریوں میں گزرے، لیکن پیغمبرؐ کے پائے ثبات میں جنبش نہ آئی، آپ کی اسی استقامت کا نتیجہ تھا کہ مضبوط ارادے کے مالک مسلمان وجود میں آئے جو ہر دباؤ اور سختی کو مسکرا کر گلے لگاتے تھے۔ یہ سب ہمارے لئے درس ہیں۔اس کے بعد مدنی معاشرہ تشکیل پایا۔آپ نے دس سال سے زیادہ حکومت نہیں کی، لیکن ایسی عظیم عمارت تعمیر کر دی کہ صدیاں گزر گئیں مگر علم و دانش میں، تہذیب و تمدن میں، روحانی ارتقاء میں، اخلاقی کمالات میں اور دولت و ثروت میں انسانیت کا نقطہ عروج آج بھی وہی معاشرہ ہے۔وہی معاشرہ جس کا خاکہ پیغمبرؐ اسلام نے کھینچا اور جس کی داغ بیل آپ کے دست مبارک سے پڑی۔

البتہ بعد میں مسلمانوں نے تساہلی برتی تو ان پر ضربیں پڑیں۔ ہم مسلمانوں نے اپنے ہاتھ سے اپنی پسماندگی کا سامان مہیا کیا۔ اب اگر ہم پھر آنحضرتؐ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں تو ایک بار پھر ترقی کریں گے۔آج امت اسلامیہ کو اتحاد کی ضرورت ہے، باہمی جذبہ ہمدردی کی ضرورت ہے، باہمی آشنائی کی ضرورت ہے۔آج عرب اور اسلامی دنیا میں جو

عوامی انقلابات آ رہے ہیں، قوموں کی رگوں میں بیداری خون کی مانند گردش کر رہی ہے، میدان عمل میں قومیں وارد ہو رہی ہیں، امریکہ اور استعماری نظام کو جو بار بار ہزیمت اٹھانی پڑ رہی ہے، صہیونی حکومت پر روز بروز کمزوری طاری ہو رہی ہے، یہ سب مسلمانوں کو حاصل ہونے والے اہم ترین مواقع ہیں۔ یہ امت اسلامیہ کے لئے سنہری موقعہ ہے۔ ہمیں ہوش میں آنے کی ضرورت ہے، درس لینے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ امت اسلامیہ کی بلند ہمتی سے، روشن فکر حضرات، علمی شخصیات، سیاسی و مذہبی قائدین کی قوت ارادی کی برکت سے یہ تحریک آگے بڑھے گی اور عالم اسلام کے وقار کا دور ایک بار پھر پلٹ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس دن کو قریب سے قریب تر لائے اور ہم سب کو توفیق عنایت فرمائے کہ اس تحریک میں شریک ہوں اور اس کا جز قرار پائیں۔

نبوت حضرت محمد مصطفیؐ

علامہ شیخ محمد حسن آل یسین مترجم اقبال حیدر حیدری

شاید یہی ہمارے نبی خاتم کا یہ پہلا امتیاز ہو کہ خداوندعالم نے ہمارے نبیؐ کو دوسرے تمام انبیاء پر فضیلت دی رسول اللہ وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور آنخضرتؐ کی رسالت کبریٰ، زمان ومکان کے لحاظ سے عالمی ہےاور کسی قوم سے مخصوص نہیں اور ایسا نہیں ہے کہ زمین کے کسی ایک حصہ میں مخصوص ہو اور کوئی دوسرا حصہ اس میں شامل نہ ہو اور نہ ہی کسی خاص اُمت سے مخصوص ہے، نیز کسی خاص زمانہ سے مخصوص نہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں خداوندعالم کا ارشاد ہے:

(وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ)[1] اے رسول ہم نے تم کوتمام لوگوں کا رسول بناکر بھیجاہے۔

(وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ)[2] (اے رسول) ہم نے تم کو سارے جہاں کے لوگوں کے لئے از سر تا پا رحمت بنا کر بھیجا۔

(قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعاً)[3] ۔(اے رسول) ان لوگوں سے کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کے پاس خداکا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں۔

(لِاُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ)[4] تاکہ میں تمہیں ا ور جس کے پاس اس کی خبر پہنچے، ڈراؤں۔

(قُلْ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُبِيْنٌ)[5] (اے رسول) کہہ دو کہ لوگو! میں تو صرف تم کو کھلم کھلا (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔

قارئین کرام ! یہ تمام آیات متفقہ طور پر اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تمام لوگوں کے نبی ہیں، چاہےوہ آپ کی بعثت کے وقت موجود ہوں یا آپ کے بعد پیدا ہوں گے، چاہےوہ جزیرۃ العرب میں ہوں یا دوسرے علاقوں میں۔

اور یہ ایک ایسا امتیاز ہےجو آنخضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے پہلے کسی نبی یا رسول کو نہیں دیا گیا کیونکہ آپ سے پہلے انبیاء علیہ السلام کسی خاص گروہ یا خاص طائفہ کے نبی ہوتے تھے وہ بھی خاص زمانہ میں جیسا کہ قرآن مجید نے واضح طور پر اشارہ کیا ہے:

(لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحاً اِلٰى قَوْمِهِ)[6] ۔ہم نے جناب نوح کو ان کی قوم کے پاس (رسول) بناکر بھیجا۔

(وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحاً)[7] اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (رسول بنا کر) بھیجا۔

(وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِآيَاتِنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ)[8] اور ہم ہی نے یقیناً موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (پیغمبر بناکر) بھیجا۔

(وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ یَا بَنِی اِسْرَائِیْلَ اِنِّی رَسُوْلُ اللهِ اِلَیْکُمْ)[9] اور (یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسی نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس خدا کا بھیجا ہوا (آیا) ہوں۔

چنانچہ ان آیات سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جناب نوح علیہ السلام کو اپنی قوم کا اور جناب صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کا، جناب موسی علیہ السلام کو فرعون اور اس کے ساتھیوں کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کا نبی بنا کر بھیجا گیا لیکن ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی ذات گرامی وہ واحد ذات ہے جن کو تمام لوگوں کا نبی بنا کر بھیجا گیا۔

اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ گذشتہ انبیاء علیہ السلام کی رسالت وقتی اور خاص زمانہ کے لئے محدود ہونے کی کیا دلیل ہے؟ تو اس سلسلہ میں بھی عرض ہے کہ یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پہلی والی شریعت بعد والی شریعت کے ذریعہ منسوخ ہوجاتی ہے، پہلے والے احکام ختم ہوجاتے ہیں اور ان کی جگہ جدید احکام نافذ کئے جاتے ہیں کیونکہ انسان دونوں شریعتوں کے احکام پر عمل نہیں کرسکتا جو اکثر احکام میں مختلف اور مخالف ہوتی ہیں۔

نیز کسی ایک چیز پر دونوں شریعتیں الگ الگ حکم کرتی ہیں اور اس بات پر عقلی دلیل اور فطرت انسان دلالت کرتی ہے اور اس کا حکم واضح ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں یہودی کہتے ہیں کہ ہماری شریعت اور ہمارے نبی کی نبوت باقی ہے کیونکہ یہ لوگ "نسخ" کے نظریہ اور نسخ واقع ہونے کی نفی کرتے ہیں[10]ان کا گمان یہ ہے کہ اگر نسخ شریعت کو مان بھی لیا جائے تو خداوندعالم کا جاہل اور غیر حکیم ہونا لازم آتا ہے!۔

ان کے اعتراض کی دلیل یہ ہے کہ خداوندعالم کے احکام اس زمانے کی مصلحتوں کے لحاظ سے ہوتے ہیں کیونکہ بغیر مصلحت کے احکام عبث وبے ہودہ ہوتے ہیں او راس حکیم مطلق کی حکمت کے منافی ہیں۔

لہٰذا مصلحت کے مطابق احکام کو ختم کرنا حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے کیونکہ اس حکم کے ختم کرنے سے بندوں کی مصلحت کا نابود ہونا لازم آتا ہے مگر یہ کہ تشریع کنندہ (خدا ور رسول)کے لئے تشریع کے بعد واضح ہوجائے کہ اس حکم میں مصلحت نہ تھی، تو اس کو ختم کردیتا ہے اور اگر ہم اس معنی میں نسخ کو مانیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا جاہل ہے، لہٰذا جب نظریہ نسخ کا نتیجہ نسخ کرنے والے کا جہل اور غیر حکیم ہونالازم آتا ہے، تو پھر خدا وندعالم کے بارے میں ان دونوں چیزوں (جہل اور غیر حکیم ہونا)کا ہونا جائز نہیں ہے تو پھر نسخ کے بارے میں نظریہ رکھنا بھی محال ہے۔!

قارئین کرام ! اس اعتراض کا مختصر جواب یہ ہے کہ شریعت کے احکام ومسائل مصلحتوں کے تحت ہوتے ہیں اور یہ بھی طے ہے کہ زمانہ کے بدلنے سے مصلحتیں بھی بدلتی رہتی ہیں کیونکہ کبھی کبھی کوئی خاص کام کسی قوم اور کسی زمانہ کے لئے صاحب مصلحت ہوتا ہے تو اس کام کے لئے حکم کیا جاتا ہے لیکن وہی کام دوسری قوم یا دوسرے زمانہ کے لئے صاحب مصلحت نہیں ہوتا تو اس کام سے روک دیا جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ عقلِ بشری کے ساتھ ساتھ آسمانی ادیان نے بھی رشد وترقی کی ہے، (جیسا کہ ہم جانتے ہیں) جس طرح ایک بچے کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہےاور اس کی عمر میں اضافہ ہوتا ہےروز بروز اس کے علم وعقل اور قابلیت میں اضافہ ہوتا رہتا ہےیہاں تک کہ وہ اپنے نظریات اور افکار پراعتقاد کرلیتا ہے، (مثلاً پہلے بچہ ایک کھیل کو اپنے لئے صحیح اور ضروری سمجھتا ہےلیکن جب وہ باشعور ہوجاتا ہےتو اس کھیل کو عبث اور بے ہودہ سمجھتاہے۔)

بالکل یہی حال آسمانی ادیان کا بھی ہےجو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے نازل ہوئے ہیں اور ہر قوم کی مصلحتوں کے لحاظ سے احکام جاری کرتا ہےاور اس زمانہ کے فکری او ریختہ نظریات کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، یہاں تک کہ شریعت اسلام اس بلندی پر پہونچا جس کو خداوندعالم نے اختیار اور پسند کرلیا، اور زمانہ اور عقلی رشد کی بلندی پر پہنچے ہوئے تمام انسانوں کے لئے یہ شریعت مشعل راہ بن گئی۔

اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ خداوندعالم مصلحتوں سے جاھل تھا یا اس کے لئے کوئی ایسی چیز کشف ہوئی ہےجو پہلے کبھی معلوم نہ تھی۔

ان باتوں کے علاوہ خود توریت میں ایسی بہت سی چیزیں موجود ہیں جو وقوع نسخ پر دلالت کرتی ہیں مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں ایک شخص کا دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا جائز تھا لیکن یہی کام شریعت جناب موسیٰ علیہ السلام میں حرام قرار دیدیا گیا، جس طرح جناب نوح علیہ السلام کی شریعت میں ختنہ کرنے میں بڑے ہونے تک تاخیر کرنا جائز تھا لیکن حضرت موسی علیہ السلام کی شریعت میں اس تاخیر کو حرام کردیا گیا، اسی طرح دوسرے واقعات بھی موجود ہیں۔

ان تمام باتو ں کے پیش نظر نسخ کو محال قراردینا صحیح نہیں ہےاور نہ ہی ان کے پاس کوئی مستحکم دلیل ہےجس پر اعتماد کیا جاسکے، للذا یہودیوں کا یہ گمان خود ان کی کتاب توریت اور حکم عقل کے ذریعہ باطل ومردود ہے:

(وَلَنْ تَرْضیٰ عَنْكَ الْيَهودُ وَلَا النَّصَارىٰ حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَیٰ اللهِ هو الْهُدیٰ)[11] "اور (اے رسول) نہ تو یہودی کبھی تم سے رضامند ہونگے نہ نصاریٰ یہاں تک کہ تم ان کے مذھب کی پیروی کرو، (اے رسول) ان سے کہہ دو کہ بس خدا ہی کی ہدایت تو ہدایت ہے"

(وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلاَمِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهو فِي الْآخِرَةِ مِنْ الْخَاسِرِينَ)[12] "اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی پیروی کرے تو اس کا وہ دین ہرگز قبول ہی نہ کیا جائے گا"

قارئین کرام ! جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا کہ کسی بھی نبی کا دعویٰ نبوت اس وقت صادق ہوسکتا ہےجب وہ کوئی معجزہ پیش کرے ایسا معجزہ جس کی مثال پیش کرنے سے بشر قاصر ہو۔ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو طرح کے معجزات لے کر آئے۔

پہلا معجزہ: قرآن مجید

دوسرے معجزات: جن کا اس وقت کے مسلمانوں نے مشاہدہ کیا ہےاور ان کی تعدا دبھی بہت زیادہ ہے، اوروہ متواتر طریقوں سے نقل بھی ہوئے ہیں نیز ان کے بارے میں بہت سی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں،اور علماء حدیث نے بھی ان کو جمع کیا ہےاو ریہ نقل وروایت کا سلسلہ آج تک جاری ہےاور ہر زمانہ میں جاری رہےگا۔ (انشاء اللہ)

اگرچہ بعض جاہل اور متعصب مولفین نے ان معجزات میں شک وتردید کی ہےاور بعض نے تو یہ بھی کہہ ڈالا کہ خود قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جو قرآن کے علاوہ دوسرے تمام معجزات کی نفی کرتی ہیں اور یہ کہ صرف قرآن مجید ہی آپ کا واحد معجزہ ہےاور یہ وہ معجزہ ہےجو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے پیش کیا تاکہ اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرسکیں۔

چنانچہ ان لوگوں نے اپنی دلیل کے طور پر درج ذیل آیت پیش کی جس میں ارشاد قدرت ہوتا ہے:

(وَمَامَنَعَنَا اَنۡ نُرۡسِلَ بِالۡاٰیٰاتِ اِلاّٰ اَنۡ کَذَّبَ بِہَا الا ٔوَّلُوۡنَ)[13] "اور ہمیں معجزات بھیجنے سے تو اس کے علاوہ اور کوئی وجہ مانع نہیں ہوئی کہ اگلوں نے انہیں جھٹلایا"

کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہےکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم قرآن کریم کے علاوہ کوئی دوسری نشانی (معجزہ) لے کر نہیں آئے کیونکہ وہ نشانیاں جو گذشتہ امتوں پر نازل کی گئیں ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا (لہٰذا ہمارے پیغمبر کو وہ نشانیاں دے کر نہیں بھیجا گیا)

اس اعتراض کے جواب میں ہمارے استاد آیت اللہ العظمی امام خوئی نے تفصیل کے ساتھ دندان شکن جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔[14]

"مذکورہ آیۂ کریمہ میں جن آیات (نشانیوں) کا ذکر ہےاو رجن کی نفی کی گئی ہےاور جن کو گذشتہ امتوں نے جھٹلایا ان سے مراد وہ نشانیاں ہیں جن کوگذشتہ انبیاء علیہ السلام کے امتی اپنے نبی کے لئے پیش کرتے تھے، پس مذکورہ آیۂ شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہےکہ اے نبی تم پر واجب نہیں ہےکہ مشرکین کی تراشیدہ شدہ نشانیوں کا جواب دو اور یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے مطلق طور پر دوسرے معجزات کی نفی نہیں کرتی اور اگر یہ طے ہو کہ کسی آیت (نشانی) کو جھٹلانے کی وجہ سے نشانیاں نہ بھیجی جائیں تو پھر تو قرآن کو بھی نہیں بھیجنا چاہئے تھا کیونکہ بعض لوگوں نے تو اس کو بھی جھٹلایا اور یہ وجہ دوسری نشانیوں سے مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے بالخصوص جبکہ قرآن مجید آنحضرتؐ کے معجزات میں سے سب سے بڑا معجزہ ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جن نشانیوں کی نفی کی ہےوہ ایک خاص قسم کی نشانیاں ہیں مطلق نشانیاں نہیں ہیں۔

اگر گذشتہ امتوں کا جھٹلانا اس بات کی صلاحیت رکھتا ہو کہ حکمتِ الٰھی اور نشانیاں نہ بھیجنے میں اثرانداز ہوتا تو پھر اس بات کی بھی صلاحیت رکھتا ہوگا کہ خدا رسولوں کونہ بھیجے (کیونکہ دنیا والوں نے نہ معلوم کن کن انبیاء کو جھٹلایا) اور

جب یہ بات باطل او رمردود ہےتوگذشتہ بات بھی باطل ہے۔

لہٰذا طے یہ ہوا کہ خداوندعالم نے جو اپنی نشانیاں نازل فرمائیں وہ طلب کرنے والوں کی طلب کے مطابق تھیں، اور یہ بات واضح ہےکہ وہ لوگ اتمام حجت کرنے والی نشانیوں کے علاوہ بھی دوسری نشانیاں طلب کرتے تھے،(گویا ان کا مقصد ایمان لانانہیں تھا بلکہ اس طرح کی نشانیوں کے مطالبہ کے بعد نبی کو عاجز کرنا ہوتا تھایہی وجہ تھی کہ طلب شدہ نشانیوں کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تھے) اور جب یہ بات طے ہوگئی کہ معجزات دیکھنے کے باوجود بھی وہ ایمان نہیں لاتے تھے تو اب خدا پر لازم نہیں ہوتا کہ ان لوگوں کے معجزات طلب کرنے پر معجزات ظاہر کردے اور اگر خداوندعالم ان میں مصلحت دیکھتا کہ یہ لوگ ان نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو حتمًا ان کی طلب شدہ نشانیوں کو بھی نازل کردیتا۔

لہٰذا معلوم یہ ہوتا ہےکہ ان لوگوں کے مطالبات اتمام حجت کے بعد تھے اور سابقہ امتو ں کا جھٹلانا ہی سبب تھا کہ خداوندعالم اپنی نشانیوں کو نہ بھیجے کیونکہ ان نشانیوں کا جھٹلانا ان پر عذاب نازل ہونے کا سبب تھا لیکن امت محمدی پر خداوندعالم نے اپنے نبی کی خاطر لطف وکرم رکھا کہ اس امت سے اس طرح کی نشانیوں کا انکار کرنے والوں سے عذاب کو دور کیا، جیسا کہ خداوندعالم کا ارشاد ہے:

(وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ)[15] ''حالانکہ جب تک تم ان کے درمیان موجود ہو تو خدا ان پر عذاب نہیں کرے گا"

لیکن ان نشانیوں کو جھٹلانے والوں پر عذاب اخروی کیا جائے گا کیونکہ اگر خدا کی کوئی نشانی صرف کسی نبی کی نبوت کے صرف اثبات کے لئے تواس کی تکذیب پر کوئی اخروی عذاب نہیں ہوگا اور اگر عذاب ہوگا تو اس نبی کے جھٹلانے پر عذاب ہوگا۔

لیکن وہ آیات ونشانیاں جن پر لوگوں نے اصرار کیا اور ہٹ دھرمی کی اور ان کا مطالبہ کیا تو اگر وہ اس وجہ سے ہو کہ خدا کی پہلی نشانی کی تصدیق ہوسکے تاکہ اس نشانی کو دیکھ کر حق واضح ہوجائے اور جب ان کی طلب شدہ چیز کو نبی انجام کرکے دکھادے تو پھر ان پر اس نبی کی تصدیق کرنا ضروری ہوجاتا ہےاو راگر اپنی طلب شدہ چیز کو دیکھ کر بھی اس نبی پر ایمان نہ لائے تویہ نبی اور حق کا مذاق اڑانا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہےکہ قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں ہےجو قرآن کے علاوہ دوسرے معجزات کی نفی کرتی ہو اگرچہ یہ بھی طے ہےکہ قرآن مجید ہمارے لئے عظیم دائمی اعجازہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے دوسرے بھی بہت سے معجزات ہیں۔

قارئین کرام ! معجزہ ایک ایسی حقیقت ہےجس کے اصلی اور نقلی ہونے کو کوئی آسانی سے نہیں سمجھ سکتا جیسا کہ گذشتہ اعتراض سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ اس سلسلہ میں معلومات رکھنے والے علماء ہی سمجھ سکتے ہیں اور اس کی خصوصیات سے یہی افراد آگاہ ہوتے ہیں اور یہی لوگ تشخیص دے سکتے ہیں کہ نوع انسانی اس طریقہ کا کام انجام دینے سے قاصر ہےیا وہ اس

طرح کا کام انجام دے سکتے ہیں اسی وجہ سے علماء ہی سب سے پہلے معجزات پر ایمان لاتے ہیں:

(اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ)[16]

"اس کے بندوں میں خدا کا خوف کرنے والے تو بس علماء (ہی) ہیں"

کیونکہ جاہل انسان صدق وکذب میں امتیاز نہیں کرسکتا او رجو لوگ جاہل ہیں اور جب تک اس علم کے مقدمات سے جال ہیں ان پر باب شک کھلا رہتا ہے کیونکہ یہ لوگ احتمال دیتے رہیں گے کہ اس کام کے کرنے والے نے اس علم کے مقدمات کے ذریعہ یہ کام کردکھایا ہےاور یہ صاحبان علم کے لئے ایسا کام کرنا کوئی مشکل نہیں ہے، چنانچہ ان تمام احتمالات کی بنا پر اس معجزہ کی جلدی تصدیق نہیں کرتے۔اسی وجہ سے حکمت الٰھی کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نبی کا معجزہ اس کے زمانہ میں شایع شدہ علم کے مشابہ ہو جس پر اس زمانہ کے علماء نے ممارست اور تمرین کی ہو اور اس جیسا عمل انجام دینے کی کوشش کی ہو تاکہ جلد ہی تصدیق کرسکیں اور حجت تمام ہوجائے۔

اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے میں جلدی کی کیونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ لگالیا کہ جو کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انجام دیا وہ جادو گری نہیں ہے۔

اسی طرح نزول قرآن کے وقت چونکہ عربوں کی فصاحت وبلاغت اپنے عروج پر تھی تواس وقت کے لحاظ سے حکمت الٰھی کا تقاضا یہ تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا معجزہ فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے ممتاز ہوچنانچہ پیغمبر اسلام ؐ نے قرآن کو معجزہ کے طور پر پیش کیا جو فصیح وبلیغ تھا تاکہ عرب کے زبان داں اور ممتاز ادیبوں پر یہ بات واضح ہوجائے کہ یہ کلام الٰھی ہےجو انسانی فصاحت وبلاغت اور ان کی فکر سے اوپر ہے۔

قارئین کرام ! جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم قرآن مجید کے علاوہ بھی دوسرے معجزات رکھتے تھے جن کو اس کتاب میں بیان نہیں کیا جاسکتا لیکن ان تمام معجزات میں قرآن کریم وہ عظیم معجزہ ہےجس کی شان نرالی ہےاور جس کی حجت بھی کامل ترین ہےکیونکہ ایک جاہل عرب جو علوم طبیعت سے واقف نہیں ہےوہ ان معجزات میں شک کرسکتا ہےاور وہ ان اسباب کی طرف نسبت دے سکتا ہےجن سے وہ جاہل ہےاو راپنے ذہن میں یہ سوچ سکتا ہےکہ شاید یہ سب سحر اور جادو ہوجیسا کہ سب سے پہلا گمان بھی یہی تھا لیکن جب فنون بلاغت اور کلام فصیح کے اسرار ان پر کشف ہوجائیں گے تو ان کو قرآن کے معجزہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہےگا، ان پر یہ بھی واضح ہوجائے گا کہ اس طرح کا کلام کوئی بشر پیش نہیں کرسکتا، جبکہ دوسرے معجزات کم مدت والے ہوتے ہیں اورجب وہ ختم ہوجاتے ہیں تو راوی اس کو نقل کرتے ہیں یا اس بات کے چرچے عوام الناس کی زبان پر ہوتے ہیں اس صورت میں باب شک کھل جاتا ہےجس میں بعض لوگ تصدیق کرتے

ہیں اور بعض لوگ جھٹلاتے ہیں، لیکن قرآن کریم ایسا معجزہ ہےجو زمین وآسمان کے باقی رہنے تک باقی رہےگا، اور اس کا اعجاز بھی ہر زمانے کے تمام لوگوں کے سامنے باقی رہےگا۔

بتحقیق ہر وہ شخص جس تک اسلام کی دعوت پہونچی ہے یہ بات اچھی طرح جانتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے تمام لوگوں اور تمام امتوں کو اسلام کی دعوت دی ہےاور قرآن کریم کے ذریعہ ان لوگوں پر حجت تمام کی ہےاور وہ قرآن کا جواب دینے سے قاصر ہیں کیونکہ ان سب سے قرآن کا مثل لانے کا مطالبہ کیا ہےلیکن کوئی بھی جواب پیش نہیں کرسکتا ، چاہےوہ اپنے وقت کا کتنا ہی بڑا سورما کیوں نہ ہو۔

اس کے بعد تنزل کرتے ہوئے اس جیسے دس سوروں کا مطالبہ کیا اس کے بعد ایک ہی سورے کا جواب طلب کیاگیا اور اگر عرب کے فصیح وبلیغ افراد میں کوئی بھی اس کا جواب لانے کی قدرت رکھتا تو قرآن کے اس چیلنج کا جواب دیتا اور قرآن کے چیلنج کوختم کردیتا لیکن جب قرآن سنا تو حقیقت امر کا اقرار کیااور قرآن کے اعجاز کے سامنے گھٹنے ٹیک دئے، اور یہ یقین کرلیا کہ ہم قرآن سے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتےچنانچہ ان میں سے بعض نے قرآن کی تصدیق کی اور اسلام قبول کرلیا،لیکن بعض لوگ اپنے بغض وعناد پر قائم رہےاور جنگ وجدل کرنا شروع کردیا۔

چنانچہ بعض مورخین نے اس بات کو نقل کیا ہےکہ ولیدبن مغیرہ مخزومی کا ایک روز خانہ کعبہ سے گذر ہوا او رنبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی زبان سے تلاوت کلام پاک کو دور ہی سے کان لگاکر سنا اس کے بعد اپنی قوم کے مشرکین سے جاکر کہا:

''میں نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے کلام کو سنا جو نہ کسی انسان کاکلام ہےاور نہ ہی کسی جن کا، یہ وہ کلام ہےجس میں حلاوت اور خوبصورتی ہےاس کے اوپر کا(حصہ)ثمر دینے والے درخت کی مانند اور نیچے کاحصہ گوارا ہے، یہ قرآن کی ترقی کی حالت میں ہےاور ہمیشہ سربلند رہےگا ''۔ [17]

حوالہ جات

[1] سورہ سباء آیت ۲۸۔

[2] سورہ انبیاء آیت ۱۰۷۔

[3] سورہ اعراف آیت ۱۵۸۔

[4] سورہ انعام آیت ۱۹۔

[5] سورہ حج آیت ۴۹۔

[6] سورہ اعراف آیت ۵۹۔

[7] سورہ اعراف آیت ۷۳۔

[8] سورہ زخرف آیت ۴۶۔

[9] سورہ صف آیت ۶۔

[10] المنخول غزالی ص ۲۸۸۔

[11] سورہ بقرہ آیت ۱۲۰۔

[12] سورہ آل عمران آیت ۸۵۔

[13] سورہ اسراء آیت۵۹۔

[14] البیان فی تفسیر القرآن جلد اول ص ۷۶تا۷۹۔

[15] سورہ انفال آیت ۳۳۔

[16] سورہ فاطر آیت ۲۸۔

[17] المعجزۃ الخالدۃ ص ۲۱۔

تاریخ اسلام کے اہم واقعات

ہجرت پیغمبرؐ اور لیلۃ المبیت

اس مہینے کی پہلی رات پیغمبر اکرمؐ نے کفار کے خطرے سے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ رسول خداؐ ماہ ربیع الاول کے کس دن مکہ سے باہر نکلے ہیں اور کس دن مدینہ پہنچے ہیں؟ اس سلسلے میں سیرت نگاروں کے درمیان اختلاف ہے۔ ابن ہشام - جس نے آپ کے اس سفر کے واقعات کو نقل کیا ہے - نے لکھا ہے کہ سوموار 12 ربیع الاول کے ظہر کے وقت آپ قبا پہنچے ہیں اور ابن کلبی لکھتا ہے کہ آپ سوموار یکم ربیع الاول کو مکہ سے روانہ ہوئے تھے اور 12 ربیع الاول کو قبا پہنچے ہیں جبکہ بعض دیگر نے لکھا ہے کہ آپ آٹھ ربیع الاول کو قبا پہنچے تھے۔ متأخر اسلامی اور یورپی مؤرخین کہتے ہیں کہ آپ 9 دن تک سفر میں تھے اور بعثت کے چودھویں سال، 12 ربیع الاول (بمطابق 24 ستمبر سنہ 622 عیسوی) کو مدینہ کے قریب واقع قبا پہنچے ہیں۔ بعد میں رسول اللہؐ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت مسلمانوں کی تاریخ کا مبدإ قرار پائی لیکن مسلمانوں نے ماہ محرم کو قمری سال کا ابتدائی مہینہ قرار دیا۔

جب حضرت علی علیہ السلام نے اپنی جان بیچ ڈالی:

بہر حال ہجرت کے موقع پر جبرئیل نازل ہوئے اور پیغمبر اسلامؐ کو حکم ملا کہ وہ رات کو اپنے بستر پر نہ سوئیں، پیغمبر اکرمؐ رات کو غار ثور کی طرف روانہ ہوگئے اور حکم دے گئے کہ امام علیؑ آپ کے بستر پر سوجائیں (تاکہ جو لوگ دروازے کی درازسے بستر پیغمبرؐ پر نظر رکھے ہوئے ہیں انہیں بستر پر سویا ہوا سمجھیں اور آپؐ کو خطرے کے علاقہ سے دور نکل جانے کی مہلت مل جائے)۔

اہل سنت کے مشہور مفسر ثعلبی کہتے ہیں کہ جب پیغمبراسلامؐ نے ہجرت کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا تو اپنے قرضوں کی ادائیگی اور موجود امانتوں کی واپسی کے لئے حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جگہ مقرر کیا اور جس رات آپ غار ثور کی طرف جانا چاہتے تھے اس رات مشرکین آپ پر حملہ کرنے کے لئے آپ کے گھر کا چاروں طرف سے محاصرہ کئے ہوئے تھے، آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ آپ کے بستر پر لیٹ جائیں، اپنی مخصوص سبز رنگ کی چادر انہیں اوڑھنے کو دی، اس وقت خدا وند عالم نے جبرائیل اور میکائیل پر وحی کی کہ میں نے تم دونوں کے درمیان بھائی چارہ اور اخوت قائم کی ہے اور تم میں سے ایک کی عمر کو زیادہ مقرر کیا ہے تم میں

سے کون ہے جو ایثار کرتے ہوئے دوسرے کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے ان میں سے کوئی بھی اس کے لئے تیار نہ ہوا تو ان پر وحی ہوئی کہ اس وقت علیؑ میرے پیغمبرؐ کے بستر پر سویا ہوا ہے اور وہ تیار ہے کہ اپنی جان ان پر قربان کردے، زمین پر جاؤ اور اس کے محافظ ونگہبان بن جاؤ،جب جبرئیل ،حضرت علی علیہ السلام کے سرہانے آئے اور میکائیل پاؤں کی طرف بیٹھے تو جبرئیل کہہ رہے تھے: سبحان اللہ، صدآفرین آپ پر اے علی علیہ السلام کہ خدا آپ کے ذریعے فرشتوں پر فخر ومباہات کررہاہے ،اس موقع پر آیت نازل ہوئی :(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ)''[1] کچھ لوگ اپنی جان خدا کی خوشنودی کے بدلے بیچ دیتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے''. اوراسی بناء پر وہ تاریخی رات '' لیلۃ المبیت''(شب ہجرت) کے نام سے مشہور ہو گئی ۔

ابن عباس کہتے ہیں :جب پیغمبرؐ مشرکین سے چھپ کر ابوبکر کے ساتھ غار کی طرف جارہے تھے یہ آیت علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی جو اس وقت بستر رسولؐ پر سوئے ہوئے تھے ۔

ابوجعفر اسکافی کہتے ہیں :جیسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ، جلد ۳ ص ۲۷۰ پر لکھا ہے : پیغمبرؐ کے بستر پر حضرت علی علیہ السلام کے سونے کا واقعہ تو اتر سے ثابت ہے اور اس کا انکار غیر مسلموں اور کم ذہن لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں کرتا ۔جب صبح ہوئی تومشرکین گھر میں گھس آئے ۔انہوں نے جستجو کی تو حضرت علی علیہ السلام کو پیغمبرؐ کی جگہ پر دیکھا ۔ اس طرح سے خدا نے ان کی سازش کو نقش برآب کردیا ۔

مشرکین پکارے: محمد کہاں ہے ؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا : میں نہیں جانتا ۔

وہ آپ کے پاؤں کے نشانوں پر چل پڑے یہاں تک کہ غار کے پاس پہنچ گئے ،لیکن (انہوں نے تعجب سے دیکھا کہ مکڑی نے غار کے سامنے جالاتن رکھاہے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر وہ اس غار میں ہوتے تو غارکے دہانے پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا ، اس طرح وہ واپس چلے گئے) پیغمبرؐ تین دن تک غار کے اندر رہے ۔اور جب دشمن مکہ کے تمام بیابانوں میں آپ کو تلاش کرچکے اور تھک ہار کرمایوس پلٹ گئے تو آپ مدینہ کی طرف چل پڑے ۔[2]

یزیدی فوج کا کعبہ پر حملہ

مورخین کے مطابق حصین بن نمیر نے تین ربیع الاول ۶۴ ہجری کو خانہ کعبہ پر سنگ بارانی کرانے کے بعد آگ لگائی۔یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو لکھا: مدینہ سے فارغ ہونے کے بعد مکہ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور عبداللہ بن زبیر کو قتل کردو۔جب مسلم بن عقبہ، اہل مدینہ کے قتل و غارت سے فارغ ہوا تو عبداللہ کو قتل کرنے اور خانہ کعبہ کو خراب کرنے کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں اس نے اپنے مرنے کے آثار دیکھے تو اس نے حصین بن نمیر ملعون کو بلایا، اوریزید کے حکم سے لشکر کی سرداری اس کے حوالہ کی اور کہا: خانہ خدا کا لحاظ نہ کرنا کیونکہ یزید کا حکم خدا

سے زیادہ ہے۔ منجیق نصب کرکے خانہ خدا اور پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ) کے رشتہ داروں کو قتل کرنے سے پرہیز نہ کرنا۔ مسلم یہ باتیں کہہ کر واصل جہنم ہوگیا۔ حصین ،شام کے لشکر کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا ، کوہ ابوقبیس اور مکہ کے اطراف میں منجنیق نصب کیں اور ان منجنیق کے ذریعہ آگ اور پتھر کو خانہ کعبہ کی طرف پھینکتا تھا جس کی وجہ سے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کے دروازے جل گئے۔[۳]

شہادت امام حسن عسکری علیہ السلام

رسول اللہؐ کے گیارہوں جانشین امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں جو "عسکری" کے نام سے مشہور تھے ، عسکری "عسکر" کی طرف منسوب ھے جو سر من رائے کے ناموں میں سے ایک نام تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ربیع الاول ۲۳۲ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی حیات طیبہ میں درج ذیل حکام کا زمانہ تھا:

ا۔ خلیفہ المعتز ؛ اس زمانہ میں خلیفہ اور امام کے درمیان کوئی دشمنی یا سازش نھیں تھی کیونکہ اس زمانہ میں تُرک لشکر نے خلیفہ کے لئے بہت سی مشکلیں ایجاد کر رکھی تھیں ،اس کی حکومت میں تباہ کاری وخرابکاری کر رکھی تھی اورخلیفہ ان مشکلات سے دست وپنجہ نرم کر رہا تھا لیکن آخر کار خلیفہ کو خلافت سے معزول ہونا پڑا۔

۲۔ خلیفہ مہتدیٰ؛ اس کے امام علیہ السلام کے ساتھ اچھے روابط تھے اور اسی وجہ سے خلیفہ شراب، محفلِ رقص وسرور سے دور تھا اور نیکی وخیر کا مظاھر ہ کرتا تھا۔

۳۔ خلیفہ معتمد ؛ یہ خلیفہ اھل بیت (ع)کا سخت دشمن تھا اسی وجہ سے اس نے امام علیہ السلام کو ایک مدت تک قید خانہ میں رکھا لیکن مجبور ہوکر امام علیہ السلام کو آزاد کرنا پڑا کیونکہ اس وقت کے نصاریٰ نے خلیفہ سے کچھ علمی سوالات کر لئے تھے چنانچہ اس مشکل کو حل کرنے اور نصاریٰ کے کھوٹے پن کو ظاھر کرنے کے لئے امام علیہ السلام کی مدد لی جیسا کہ تاریخی کتابیں اشارہ کرتی ہیں۔

جس وقت امام علیہ السلام کی وفات کی خبر ملی تو وہ پریشان تھا کیونکہ اس وقت " محمد "مہدی بن امام عسکری علیہما السلام کی بحث شروع ہوچکی تھی اور اس سلسلہ میں امام مہدی علیہ السلام کے چچاجعفر بن علی میں حسد وکینہ بھرا ہوا تھا او رآپ کے مال ومنال او رآپ کے مقام کی طرف چشم طمع لگائے ہوئے تھا، اور اپنے بھتیجے (امام مہدی (ع) کو تلاش کرنا چاہتا تھا ،لیکن یہ اور خلیفہ دونوں اپنے ارادوں میں ناکام ہوگئے اور امام مہدی دشمنوں کی نظروں سے مخفی رہے اور خداوندعالم نے ان کو حاسدوں کے حسد سے نجات دی۔ حالانکہ امام حسن عسکری علیہ السلام کا زمانہ پُر آشوب تھا لیکن پھر بھی راویوں نے ان سے بہت سی روایات نقل کی ہیں جو علم ومعرفت میں اپنا مقام رکھتی ھیں۔ آپ کی شھادت ۸/ربیع الاول ۲۶۰ھ کو سر من رائے میں ہوئی اور آپ کو اپنے پدر بزرگوار کے جوار میں (آپ کے ہی مکان میں) دفن کیا گیا۔

آغاز امامت حضرت ولی العصر

۸ ربیع الاول کو امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد ۹ ربیع الاول ۲۶۰ ہجری حضرت صاحب الامر امام مہدی علیہ السلام

کی امامت کے آغاز کا دن ہے۔اسی دن سے غیبت صغریٰ شروع ہوتی ہے۔یہ شیعوں کے لئے عید اور خوشی کا دن ہے اور اللہ تعالیٰ کی آخری حجت اور رسول اللہؐ کے آخری جانشین اور خلیفہ کی امامت وخلافت کے آغاز کا دن ہے جو تا قیامت باقی رہے گی۔(۴)

حضرت خدیجہ سے پیغمبر اکرم کی شادی

۱۰ ربیع الاول ، جناب خدیجہ کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی شادی کا دن ہے۔حضرت خدیجہ علیہا السلام رشتے میں پیغمبر اکرمؐ کی چچازاد بہن لگتی تھیں اور دونوں کا شجرہ نسب جناب قصی بن کلاب سے جاملتا تھا، حضرت خدیجہ علیہا السلام کی ولادت وپرورش اس خاندان میں ہوئی تھی جو دانا ،نسب کے اعتبار سے اصیل، ایثار پسند اور خانہ کعبہ کا حامی وپاسدار تھا اور خود حضرت خدیجہ علیہاالسلام اپنی عفت وپاکدامنی میں ایسی مشہور تھیں کہ دور جاہلیت میں بھی انہیں 'طاہرہ' اور'سیدہ قریش' کے لقب سے یاد کیاجاتا تھا ، ان کیلئے بہت سے رشتے آئے اگر چہ شادی کے خواہشمند مہر ادا کرنے کے لئے کثیر رقم دینے کیلئے تیار تھے مگر وہ کسی سے بھی شادی کرنے کیلئے آمادہ نہ ہوئیں۔جب رسول خداؐ ملک شام کے تجارتی سفر سے واپس مکہ تشریف لائے تو حضرت خدیجہ علیہاالسلام نے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں قاصد بھیجا اور آپؐ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔(۵) رسول خداؐ نے اس مسئلے کو حضرت ابوطالب علیہ السلام اور دیگر بزرگوں کے سامنے رکھا اور جب سب نے اس رشتے سے اتفاق کیا تو آپؐ نے حضرت خدیجہ علیہاالسلام کے قاصد کو مثبت جواب دیا ، رشتے کی منظوری کے بعد حضرت ابوطالب علیہ السلام اور دوسرے چچا حضرت حمزہ نیز حضرت خدیجہ علیہاالسلام کے قرابت داروں کی موجودگی میں حضرت خدیجہ علیہا السلام کے گھر پر نکاح کی شایان شان تقریب منعقد ہوئی اور تواریخ میں ہے کہ جناب خدیجہ کی طرف سے عقدپڑھنے والے ان کے چچاعمروابن اسداور حضرت رسول خداؐ کی طرف سے جناب ابوطالب تھے۔۔جس وقت یہ شادی ہوئی اس وقت مشہور قول کی بنا پر رسول خداؐ کا سن مبارک پچیس سال اور حضرت خدیجہ علیہاالسلام کی عمر چالیس سال تھی۔(۶)

ایک روایت میں ہے کہ شادی کے وقت جناب خدیجہ باکرہ تھیں یہ واقعہ نکاح ۵۹۵ ءکاہے۔مناقب ابن شہرآشوب میں ہے کہ رسول خداؐکے ساتھ خدیجہ کا یہ پہلاعقد تھا۔سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۱۹ میں ہے کہ جب تک خدیجہ زندہ رہیں رسول کریمؐ نے کوئی عقد نہیں کیا۔

ولادت باسعادت رسول اکرمؐ :

۱۷ ربیع الاول آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت کادن ہے۔آپؐ کے نور وجود کی خلقت ایک روایت کی بنیاد پر حضرت آدم کی تخلیق سے ۹ لاکھ برس پہلے اور دوسری روایت کی بنیاد پر ۴۔۵ لاکھ سال قبل ہوئی تھی، آپ کانور اقدس اصلاب طاہرہ، اور ارحام مطہرہ میں ہوتا ہواجب صلب جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہنچا توآپ کاظہور و شہود بشکل انسانی میں بطن جناب ''آمنہ بنت وہب''سے مکہ معظّمہ میں ہوا۔

آپؐ کی ولادت سے متعلق بہت سے ایسے امور رونماہوئے جوحیرت انگیزہیں۔مثلاآپ کی والدہ ماجدہ کو بار

حمل محسوس نہیں ہوااوروہ تولید کے وقت کثافتوں سے پاک تھیں، آپؐ مختون اور ناف بریدہ تھے آپؐ کے ظہور فرماتے ہی آپ کے جسم سے ایک ایسا نور ساطع ہواجس سے ساری دنیا روشن ہو گئی، آپ نے پیدا ہوتے ہی دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر سجدہ خالق ادا کیا۔ پھرآسمان کی طرف سربلند کرکے تکبیر کہی اور لاالہ الااللہ انارسول اللہ زبان پر جاری کیا۔

بروایت ابن واضح المتوفی ۲۹۲ ھء آپؐ کی ولادت باسعادت کے وقت شیطان کورجم کیاگیااوراس کاآسمان پر جانابند ہوگیا، ستارے مسلسل ٹوٹنے لگے تمام دنیا میں ایسا زلزلہ آیاکہ تمام دنیاکے کینسے اور دیگر غیراللہ کی عبادت کرنے کے مقامات منہدم ہوگئے ، جادو اور کہانت کے ماہراپنی عقلیں کھوبیٹھے اوران کے موکل محبوس ہوگئے ایسے ستارے آسمان پر نکل آئے جنہیں کسی کبھی کسی نے دیکھانہ تھا۔ساوہ کی وہ جھیل جس کی پرستش کی جاتی تھی جوکاشان میں ہے وہ خشک ہوگئی ۔ وادی سماوہ جوشام میں ہے اور ہزار سال سے خشک پڑی تھی اس میں پانی جاری ہوگیا، دجلہ میں اس قدرطغیانی ہوئی کہ اس کاپانی تمام علاقوں میں پھیل گیا ،محل کسری میں پانی بھر گیا اور ایسا زلزلہ آیاکہ ایوان کسری کے ۱۴ کنگرے زمین پر گرپڑے اورطاق کسری شگافتہ ہوگیا، اور فارس کی وہ آگ جوایک ہزارسال سے مسلسل روشن تھی، فورابجھ گئی۔(۷)

اسی رات کوفارس کے عظیم عالم نے جسے (موبذان موبذ)کہتے تھے، خواب میں دیکھاکہ تندوسرکش اوروحشی اونٹ، عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں اورانہیں بلادفارس میں متفرق کررہے ہیں، اس نے اس خواب کابادشاہ سے ذکرکیا۔ بادشاہ نوشیرواں کسری نے ایک قاصدکے ذریعہ سے اپنے حیرہ کے گورنرنعمان بن منذر کو کہلا بھیجا کہ ہمارے عالم نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھاہے توکسی ایسے عقلمند اور ہوشیار شخص کومیرے پاس بھیج دے جواس کی اطمینان بخش تعبیردے کر مجھے مطمئن کرسکے۔نعمان بن منذرنے عبدالمسیح بن عمرالغسانی کوجوبہت لائق تھابادشاہ کے پاس بھیج دیانوشیروان نے عبدالمسیح سے تمام واقعات بیان کئے اوراس سے تعبیر کی خواہش کی اس نے بڑے غور و خوض کے بعد عرض کی''ائے بادشاہ شام میں میراماموں ''سطیح کاہن'' رہتاہے وہ اس فن کابہت بڑاعالم ہے وہ صحیح جواب دے سکتاہے اوراس خواب کی تعبیر بتاسکتاہے نوشیرواں نے عبدالمسیح کوحکم دیاکہ فورا شام چلاجائے چنانچہ روانہ ہوکر دمشق پہنچااوربروایت ابن واضح ''باب جابیہ'' میں اس سے اس وقت ملاجب کہ وہ عالم احتضارمیں تھا، عبدالمسیح نے کان میں چیخ کراپنامدعا بیان کیا۔اس نے کہاکہ ایک عظیم ہستی دنیامیں آچکی ہے جب نوشیرواں کونسل کے ۱۴ مردوزن حکمران کنگروں کے عدد کے مطابق حکومت کرچکیں گے تویہ ملک اس خاندان سے نکل جائے گا ثم'' فاضت نفسہ'' یہ کہہ کر وہ مرگیا۔(۸)

آپؐ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے بعض مسلمان ۲ ربیع الاول بعض ۶ ربیع الاول اہل تسنن ۱۲ ربیع الاول، عام الفیل مطابق ۵۷۰ کو صحیح سمجھتے ہیں۔لیکن علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ حیات القلوب ج ۲ ص ۴۴ میں تحریرفرماتے ہیں کہ علماء امامیہ کااس پراجماع واتفاق ہے کہ آپؐ ۱۷ ربیع الاول ۱ عام الفیل یوم جمعہ بوقت شب یابوقت صبح صادق''شعب ابی

طالب''میں متولد ہوئے ہیں، اس وقت انوشیرواں کسری کی حکومت کا بیالیسواں سال تھا۔

یوم ولادت باسعادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

سترہ ربیع الاول فرزند رسول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی تاریخ ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد اکتیس سال کی عمر میں ایک سو چودہ ہجری قمری کو عوام کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ سنبھالا اور منصب امامت پر فائز ہوئے آپ کا دور امامت چونتیس برسوں پر محیط ہے۔ جب آپ منصب امامت پر فائز ہوئے تو امویوں اور عباسیوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی جاری تھی جس کی بناپر اموی حکمرانوں کی توجہ خاندان رسالت سے کسی حد تک ہٹ گئی اور خاندان رسالت کے افراد نے امویوں کے ظلم و ستم سے کسی حد تک سکون کا سانس لیا۔

اسی دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لئے بے پناہ کوششیں انجام دیں اور مدینے میں مسجد نبوی اور کوفہ شہر میں مسجد کوفہ کو یونیورسٹی میں تبدیل کردیا جہاں آپ نے ہزاروں افراد کی تربیت کی اور ایک عظیم علمی و فکری تحریک کی بنیاد ڈالی اس تحریک کو خوب پھلنے پھولنے کے مواقع ملے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ علوم و فنون کی توسیع اور دوسری ملتوں کے عقائد و نظریات اور تہذیب و ثقافت کے ساتھ اسلامی افکار و نظریات اور تہذیب و ثقافت کے تقابل اور علمی بحث و مناظرے کے اعتبار سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اسی زمانے میں ترجمے کے فن کو بڑی تیزی سے ترقی حاصل ہوئی اور عقائد و فلسفے دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ ہوئے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ تاریخ اسلام کا حساس ترین دور کہا جاسکتاہے۔ اس زمانے میں ایک طرف تو امویوں اور عباسیوں کے درمیان اقتدار کی رسہ کشی جاری تھی اور دوسری علویوں کی بھی مسلح تحریکیں جاری تھیں۔آپ نے ہمیشہ عوام کو حکمرانوں کی بدعنوانیوں اور غلط حرکتوں نیز غیراخلاقی و اسلامی سرگرمیوں سے آگاہ کیا اور لوگوں کے عقائد و افکار کی اصلاح اور فکری شکوک و شبہات دور کرکے اسلام اور مسلمانوں کی فکری بنیادوں کومستحکم کرنے کی کوشش کی اور جعفری مذہب کے نام سے شہرت اختیار کرلی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جتنی احادیث راویوں نے نقل کی ہیں اتنی کسی اور امام سے نقل نہیں کیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسب فیض کرنے والے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جن میں ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل ہیں ۔ آپ کے ممتاز شاگردوں میں ہشام بن حکم، محمد بن مسلم ، ابان بن تغلب ، ہشام بن سالم ، مفضل بن عمر اور جابربن حیان کا نام خاص طور سے لیاجا سکتاہے۔ان میں سے ہر ایک نے بڑا نام پیدا کیا مثال کے طور پر ہشام بن حکم نے اکتیس کتابیں اور جابربن حیان نے دو سو زائد کتابیں مختلف علوم و فنون میں تحریر کی

ہیں۔ جابر بن حیان کو علم کیمیا میں بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ بابائے علم کیمیا کے نام سے مشہور ہیں۔

اہل سنت کے درمیان مشہور چاروں مکاتب فکر کے امام بلاواسطہ یا بالواسطہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں خاص طور پر امام ابوحنیفہ نے تقریبا" دوسال تک براہ راست آپ سے کسب فیض کیا۔آپ کے علمی مقام کا اعتراف کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ نے کہاہے : " میں نے جعفر ابن محمد سے زیادہ پڑھا لکھا کوئی اور شخص نہیں دیکھا۔"ایک اور مقام پر امام ابوحنیفہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گزارے ہوئے دو سالوں کے بارے میں کہا :

لولا السنتان ۔ لھلك نعمان :اگر یہ دوسال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہوجاتا

امام جعفر صادق علیہ السلام کی سیرت اور اخلاقی کمالات کے بارے میں مورخین نے بہت کچھ لکھاہے۔آپ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ لوگوں کے ساتھ انتہائی محبت اور مہربانی کے ساتھ پیش آتے تھے اور حاجت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اپنی باتوں کی نصیحت کرتے تھے۔آپ فرماتے ہیں : اپنے رشتے داروں کے ساتھ احسان کرو اور اپنے بھائیوں کے ساتھ نیکی کرو چاہے وہ سلام کرنے یا خندہ پیشانی کے ساتھ سلام کا جواب دینے کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتاہے۔پہلا دور وہ ہے جو آپ نے اپنے دادا امام زین العابدین علیہ السلام اور والد امام محمد باقر علیہ السلام کے زیر سایہ گزارا یہ دور سن تراسی ہجری سے لے کر ایک سو چودہ ہجری قمری تک پھیلا ہوا ہے۔دوسرا دور ایک سو چودہ ہجری سے ایک سو چالیس ہجری قمری پر محیط ہے اس دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو اسلامی علوم و معارف پھیلانے کا بھرپور موقع ملا جس سے آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

اس دور میں آپ نے چارہزار سے زائد شاگردوں کی تربیت کی اور مکتب شیعہ کو عروج پر پہنچایا۔ تیسرا دور امام کی آخری آٹھ سال کی زندگی پر مشتمل ہے۔اس دور میں آپ پر عباسی خلیفہ منصور دوانیقی کی حکومت کا سخت دباؤ تھا اور آپ کی ہر قسم کی نقل و حرکت پر مستقل نظر رکھی جاتی تھی۔عباسیوں نے چونکہ خاندان پیغمبر کی حمایت و طرفداری کے نعرے کی آڑ میں اقتدار حاصل کیا تھا شروع شروع میں عباسیوں نے امام علیہ السلام پر دباؤ نہیں ڈالا اور انہیں تنگ نہیں کیا لیکن عباسیوں نے آہستہ آہستہ اپنے قدم جمانے اور اقتدار مضبوط کرنے کے بعد امویوں کی روش اپنا لی اور ائمہ معصومین علیہم السلام اور ان کے محبین کو تنگ کرنے اور ان پر ظلم و ستم کرنے کا سلسلہ شروع کردیا اور اس میں وہ امویوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔

رہبر اسلام و مسلمین حضرت آیت اللہ العظمی خامنہ ای دام ظلہ اپنی کتاب " پیشوائے صادق " میں خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں اسلامی علوم کے تعلق سے درباری علماء

کی انحرافی تشہیرات کے مقابل امام علیہ السلام کی علمی کاوشوں کو دوعنوانوں میں تقسیم کیا ہے۔پہلا عنوان ہے مسئلۂ امامت کی تشریح و تبلیغ اور دوسرا عنوان ہے اہلبیت علیہم السلام کی روش پر قرآن کی تفسیر اور احکام کی تفصیلات"۔

صلح امام حسن علیہ السلام

۲۵ ربیع الاول کو امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور معاویہ بن ابی سفیان کے درمیان صلح کا مائدہ ہوا۔اس سلسلے میں معاصر مؤرخ علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج کی حالت اورلوگوں کی بے وفائی کاحال معلوم ہوچکاتھااس لیے وہ سمجھ چکا تھا کہ امام حسن کے لیے جنگ ممکن نہیں ہے مگراس کے ساتھ اُسے یہ بھی یقین تھا کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کتنے ہی بے بس اوربے کس ہوں، مگر علیؑ وفاطمہؑ کے بیٹے اور پیغمبرؐکے نواسے ہیں اس لیے وہ ایسے شرائط پرہرگز صلح نہ کریں گے جوحق پرستی کے خلاف ہوں اورجن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو، اس کونظرمیں رکھتے ہوئے اس نے ایک طرف توآپ کے ساتھیوں کوعبداللہ بن عامرکے ذریعہ پیغام دلوایاکہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو، اورخون ریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کورشوتیں بھی دی گئیں اورکچھ بزدلوں کواپنی تعدادکی زیادتی سے خوف زدہ کیاگیااوردوسری طرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجاکہ آپ جن شرائط پرکہیں میں انہیں شرائط پرصلح کے لیے تیارہوں۔

امام حسنؑ یقینا اپنے ساتھیوں کی غداری کودیکھتے ہوئے جنگ کرنامناسب نہ سمجھتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرورپیش نظرتھاکہ ایسی صورت پیداہوکہ باطل کی تقویت کادھبہ میرے دامن پرنہ آنے پائے، اس گھرانے کوحکومت واقتدارکی ہوس توکبھی تھی ہی نہیں انھیں تومطلب اس سے تھا کہ مخلوق خداکی بہتری ہواورحدودوحقوق الٰہی کااجراہو،اب معاویہ نے جوآپ سے منہ مانگے شرائط پرصلح کرنے کے لیے آمادگی ظاہرکی تواب مصالحت سے انکارکرنا شخصی اقتدارکی خواہش کے علاوہ اورکچھ نہیں قرارپاسکتاتھا اوریہ معاویہ صلح کی شرائط پرعمل نہیں کرے گا ،بعدکی بات تھی جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آکہاں سکتاتھا اورحجت تمام کیونکر ہوسکتی تھی پھربھی آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کوجمع کرلیااور تقریرفرمائی

آگاہ رہوکہ تم میں وہ خون ریزلڑائیاں ہوچکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے کچھ مقتول صفین میں ہوئے جن کے لیے آج تک رورہے ہواورکچھ مقتول نہروان کے جن کامعاوضہ طلب کررہے ہو، اب اگرتم موت پرراضی ہوتوہم اس پیغام صلح کوقبول نہ کریں اوران سے اللہ کے بھروسہ پرتلواروں سے فیصلہ کریں اوراگرزندگی کوعزیز رکھتے ہوتوہم اس کوقبول کرلیں اور تمہاری مرضی پرعمل کریں۔

جواب میں لوگوں نے ہرطرف سے پکارناشروع کیاہم زندگی چاہتے ہیں ہم زندگی چاہتے ہیں آپ صلح کرلیجیے ،اسی کانتیجہ تھاکہ آپ نے صلح کی شرائط مرتب کرکے معاویہ کے پاس روانہ کئے (ترجمہ ابن خلدون)۔

شرائط صلح

اس صلح نامہ کے مکمل شرائط حسب ذیل ہیں:

1 ۔ معاویہ حکومت اسلام میں، کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کریں گے۔

2- معاویہ کواپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔

3- شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں کے لیے امان ہوگی۔

۴- حضرت علی کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان و مال اور ناموس اور اولاد محفوظ رہیں گے۔

۵- معاویہ، حسن بن علی اوران کے بھائی حسین ابن علی اور خاندان رسول میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے یاہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ خفیہ طورپراورنہ اعلانیہ، اوران میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرایانہیں جائے گا۔

۶- جناب امیرالمومنین کی شان میں کلمات نازیبا جواب تک مسجد جامع اور قنوت نماز میں استعمال ہوتے رہے ہیں وہ ترک کردیئے جائیں، آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذرہوا تویہ طے پایاکہ کم از کم جس موقع پر امام حسن علیہ السلام موجودہوں اس جگہ ایسانہ کیاجائے، یہ معاہدہ ربیع الاول یاجمادی الاول۴۱ ء ہجری کوعمل میں آیا۔

صلح نامہ پردستخط :

۲۵/ ربیع الاول کو کوفہ کے قریب مقام انبارمیں فریقین کااجتماع ہوا اور صلح نامہ پردونوں کے دستخط ہوئے اور گواہیاں ثبت ہوئیں (نہایۃ الارب فی معرفتہ انساب العرب ص ۸۰)

اس کے بعد معاویہ نے اپنے لیے عام بیعت کااعلان کردیااوراس سال کانام سنت الجماعت رکھا پھرامام حسن کوخطبہ دینے پرمجبورکیاآپ منبرپرتشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا:

"اے لوگوں خدائے تعالی نے ہم میں سے اول کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اورآخرکے ذریعہ سے تمہیں خونریزی سے بچایا معاویہ نے اس امرمیں مجھ سے جھگڑاکیاجس کامیں اس سے زیادہ مستحق ہوں لیکن میں نے لوگوں کی خونریزی کی نسبت اس امرکو ترک کردینا بہتر سمجھا تم رنج و ملال نہ کروکہ میں نے حکومت اس کے نااہل کودے دی اوراس کے حق کوجائے ناحق پررکھا، میری نیت اس معاملہ میں صرف امت کی بھلائی ہے یہاں تک فرمانے پائے تھے کہ معاویہ نے کہا:بس اے حضرت زیادہ فرمانے کی ضرورت نہیں ہے" (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۵) ۔

تکمیل صلح کے بعد امام حسنؑ نے صبر و استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناخوشگوار حالات کوبرداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے مگر ادھر یہ ہواکہ امیرشام نے جنگ کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدارکے مضبوط ہوتے ہی عراق میں داخل ہوکرنخیلہ میں جسے کوفہ کی سرحد سمجھنا چاہیئے، قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد اعلان کیاکہ میرا

مقصد جنگ سے یہ نہ تھا کہ تم لوگ نماز پڑھنے لگو روزے رکھنے لگو، حج کرو یا زکواۃ اداکرو، یہ سب توتم کرتے ہی ہو میرا مقصد تویہ تھاکہ میری حکومت تم پر مسلم ہوجائے اوریہ مقصدمیرا حسنؑ کے اس معاہدہ کے بعدپوراہوگیا اور باوجودتم لوگوں کی ناگواری کے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔رہ گئی وہ شرائط جومیں نے حسنؑ کے ساتھ کی ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں ان کاپوراکرنا یانہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے یہ سن کر مجمع میں ایک سناٹاچھاگیا مگراب کس میں دم تھا کہ اس کے خلاف زبان کھولتا۔

شرائط صلح کاحشر :

مورخین کااتفاق ہے کہ امیرشام جومیدان سیاست کا کھلاڑی اور مکر و زور کی سلطنت کا تاجدار تھا، امام حسنؑ سے وعدہ اور معاہدہ کے بعد ہی سب سے مکر گیا ۔ تاریخ کامل ابن اثیرجلد ۳ ص ۱۶۲ میں ہے کہ معاویہ نے کسی ایک چیزکی بھی پرواہ نہ کی اور کسی پرعمل نہ کیا، امام ابوالحسن علی بن محمدلکھتے ہیں کہ جب معاویہ کے لیے امر سلطنت استوراہوگیاتواس نے اپنے حاکموں کوجو مختلف شہروں اور علاقوں میں تھے یہ فرمان بھیجاکہ اگرکوئی شخص ابوتراب اوراس کے اہل بیت کی فضیلت کی روایت کرے گاتومیں اس سے بری الذمہ ہوں، جب یہ خبرتمام ملکوں میں پھیل گئی اور لوگوں کو معاویہ کامنشاء معلوم ہوگیاتوتمام خطیبوں نے منبروں پر سب و شتم اور منقصت امیرالمومنین پرخطبہ دینا شروع کردیا کوفہ میں زیادابن ابیہ جوکئی برس تک حضرت علی علیہ السلام کے عہدمیں ان کے عمال میں رہ چکاتھا وہ شیعیان علی کواچھی طرح سے جانتاتھا۔

مردوں، عورتوں، جوانوں، اوربوڑھوں سے اچھی طرح آگاہ تھا اسے ہرایک رہائش اورکونوں اورگوشوں میں بسنے والوں کاپتہ تھا اسے کوفہ اوربصرہ دونوں کاگورنربنادیاگیاتھا۔

اس کے ظلم کی یہ حالت تھی کہ شیعیان علی کوقتل کرتااوربعضوں کی آنکھوں کوپھوڑدیتا اور بعضوں کے ہاتھ پاؤں کٹوادیتاتھا اس ظلم عظیم سے سینکڑوں تباہ ہوگئے، ہزاروں جنگلوں اورپہاڑوں میں جاچھپے، بصرہ میں آٹھ ہزار آدمیوں کاقتل واقع ہواجن میں بیالیس حافظ اور قاری قرآن تھے ان پرمحبت علی کاجرم عاید کیاگیا تھا حکم یہ تھا کہ علی کے بجائے عثمان کے فضائل بیان کئے جائیں اورعلی کے فضائل کے متعلق یہ فرمات تھاکہ ایک ایک فضیلت کے عوض دس دس منقصت ومذمت تصنیف کی جائیں یہ سب کچھ امیرالمومنین سے بدلالینے اوریزیدکے لیے زمین خلافت ہموار کرنے کی خاطر تھا۔

حوالہ جات

سورۂبقرہ،آیت ۲۰۷(۱)

الغدیر، جلد 2 ص45 پر ہے کہ غزالی نے احیاء العلوم ج3 ص 238 پر، صفوری نے نزہتہ المجالس ج2 ،ص 209 پر، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ، میں سبط ابن جوزی نے تذکرہ الخواص ص 21 پر ، امام احمد نے مسندج ا ص 348 پر، تاریخ طبری جلد 2 ص99 پر، سیرۃ ابن ہشام ج 2، ص 291 پر، سیرۃ حلبی ج 1 ص 29 پر، تاریخی یعقوبی ج2 ص 29 پرلیلۃ المبیت کے واقعہ کو نقل کیا ہے ۔ (۲)

حوادث الایام، ص۵۶ (۳)
تقویم شیعہ،۷۷ (۴)

سیرہ ابن اسحاق ص ۶۰ (۵)

السیرۃ الحلبیہ ج ا ص ۱۳۷ ، ۱۳۹ (۶)

تاریخ اشاعت اسلام دیوبندی 218 طبع لاہور (۷)

روضۃ الاحباب ج ا ص ۵۶ ،سیرت حلبیہ ج ا ص ۸۳ ، حیات القلوب ج ۲ ص ۴۶ ، الیعقوبی ص ۹۔(۸)

انسان کو پیغمبر کی ضرورت

علامہ محمد حسین طباطبائی رحمۃاللہ علیہ

اگرہم صرف اپنی زندگی کے بارے میں غور وخوض کریں ،یعنی شیر خوارگی ،بچپن ،جوانی اور بوڑھاپے کے دورپر نظر ڈالیں ،تو خدائے متعال کا وہ کامل لطف و کرم جو ہمارے شامل حال ہے، کے بارے میں ہماراضمیر گواہی دے گا ،اور جب یہ مسئلہ ہمارے لئے واضح ہو جائے گا تو یقینا ہماری عقل فیصلہ دے گی کہ خالق کائنات ،اپنی مخلوق کے لئے سب سے زیادہ مہر بان ہے۔اسی مہربانی کی وجہ سے ہمیشہ ان کے حالات کے مطابق مصلحت کی رعایت کرتا ہے اور حکمت و مصلحت کے بغیر ہر گز ان کے فساد وتباہی کے کاموں سے راضی نہیں ہوتا ۔انسان،خدا کی ایک ایسی مخلوق ہے۔کہ جس کی فلاح و بہبود اور سعادت اس میں ہے کہ حقیقت پسنداور نیک منش ہو ،یعنی اس میں صحیح عقائد ،پسندیدہ اخلاق اور نیک کردار ہونا چاہئے۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ انسان اپنی خدا داد عقل سے اچھے اور برے کو پہچان سکتا ہے اور چاہ کو را ہ سے تشخیص دے سکتا ہے ،لیکن یہ جاننا چاہئے کہ عقل اکیلے ہی اس گرہ کو کھول کر انسان کی حقیقت پسندی اور نیکی کی طرف رہنمائی نہیں کر سکتی ،کیونکہ انسانی معاشرے میں جو مشاہدہ کیا جارہا ہے وہ یہ ہے کہ زیادہ تر برائیاں ان لوگوں سے انجام پارہے ہیں ،جو عقل و شعور اور برے بھلے کی تمیز رکھتے ہیں ،لیکن خود پر ستی ،منا فع پر ستی اور ہوس رانی کے نتیجہ میں ان کی عقل اس کے جذبات اور ہواوہوس کی تابع ہو کرگمراہی سے دوچار

ہوتی ہے۔لہٰذا خدائے متعال کوایک دوسرے راستہ سے یا ایک ایسے وسیلہ سے سعادت کی طرف ہماری راہنمائی کرنا چاہئے جو کبھی ہوا وہوس سے مغلوب نہ ہواور اپنی رہبری میں کبھی اشتباہ و غلطی کاشکارنہ ہو،ایسا راستہ صرف نبوت کا ہے۔

انبیاء کی تبلیغ

ہماری عقل جو فیصلہ کرتی ہے اوراس کے مطابق حکم دیتی ہے کہ انسان کے لئے ''نبوت'' کے نام کا ایک راستہ کھلا ہونا چاہئے ۔ یہ چیز عملاً بھی مورد تاکید قرار پاکر انجام پایا ہے۔ انسانوں میں سے (انبیاء) نامی کا ایک گروہ خدائے متعا ل کی طرف سے منتخب ہوا ہے۔ جنہوں نے لو گوں کی ہدایت کے لئے اعتقادی کچھ عملی قوانین وضوابط پیش کئے اور ان کو صحیح راستے پر چلنے کی دعوت دی ہے

ان پیغمبروں نے اپنے دعوی کے صحیح ہونے اوراپنے دین کے سچے ہونے کومعقول طریقوں سے لوگوں کے لئے ثابت کیا ،اور اپنے تربیتی مکتب میں کچھ شائستہ افراد کی پرورش کی۔

عقل معاش، جسے ہم عقل علمی بھی کہتے ہیں (وہ شعورجس سے ہم اپنی زندگی کو چلاتے ہیں)ہمیں‌یہ اجازت دیتی ہے کہ ہم اپنی زندگی کے فائدے کے لئے ہر قابل استفادہ چیز سے

استفادہ کریں ،جیسے : فضا،ہوا،درختوں،ان کے پھل،پتوں،اور لکڑیوں حیوانات،ان کے گوشت،دودھ ،اون اور کھال سے استفادہ کریں۔اسی طرح ہم اپنی بے شمار ضرورتوں کے پیش نظر اپنے ہم نوع انسانوں کی سر گرمیوں سے بھی اپنے نفع میں استفادہ کرتے ہیں۔

ان چیزوں کے مصرف اور استفادہ کا حکم ہمیں ہماری عقل و شعورنے دیا ہے اور اسی نے ان کے جائز ہونے کی تصدیق کی ہے ،اس لئے ہے کہ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ بھوک کے وقت تم کیوں کھانا کھاتے ہو ؟ پیاس کے وقت کیوں پانی پیتے ہو؟یا ہوا میں کیوں سانس لیتے ہو؟تو اس کے یہ سوالات مضحکہ خیز ہوں گے۔

لیکن جب ہم اپنے ہم نوع انسان کے کام وکوشش سے استفادہ کرنے کے لئے ان سے پہلی بار رابطہ بر قرار کرتے ہیں تو معلوم ہوتاہے کہ وہ بھی ہماری طرح ہیں جس طرح ہم ان کی سر گرمیوں کے نتیجہ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں ،اسی طرح وہ بھی ہماری سر گرمیوں کے نتیجہ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں ۔کیونکہ ہم اپنی سر گرمیوں کے نتیجہ کو انھیں مفت میں دینے کے لئے تیارنہیں ہیں لہذا ان کے پاس بھی جو کچھ ہے وہ اسے مفت میں دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اجتماعی طور پر ایک دوسرے کا تعاون کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اپنے ہم نوع انسان کی زندگی کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں تاکہ اس کے مقابلہ میں وہ بھی ہماری مدد کریں۔

اسی احتیاج وضرورت کے پیش نظر،مختلف انسان آپس میں جمع ہو گئے اور ایک دوسرے کی مدد اور کام سے استفادہ کرتے ہیں ،حقیقت میں مختلف افراد کے کام اور ان کی کوششیں ایک دوسرے پر بٹ جاتی ہیں ،اور اس کے بعدہر ایک اپنی حیثیت اور اجتماعی سر گرمی کے مطابق اس سے استفادہ کرتا ہے۔

معاشرے میں قوانین و قواعد کی ضرورت

جیسا کہ بیان کیا جاچکا کہ انسان مجبور ہوکر اجتماعی تعاون پرآمادہ ہوتا ہے ورنہ فطری طور پر وہ صرف اپنی زندگی کے نفع کاخواہاں ہے ،لہٰذا جب بھی اسے موقع ملتا ہے وہ دوسروں کے منافع پر تجاوز کرتا ہے جبکہ اس نے اپنے منافع سے کوئی چیزدوسروں کو انہیں دی ہے کہ تعادل بر قراررہے۔اسی لئے ہر معاشرے میں کچھ قوانین ومقررات کا ہونا ضروری ہے تاکہ ان کی رعایت کرنے سے ،انسان کی اجتماعی قدروقیمت محفوظ رہے،اور ان کو تجاوز کرنے سے روکا جاسکے۔قوانین وضوابط کو لوگوں کے اتفاق نظر یا ان کی اکثریت کی رائے سے منظور کیا جانا چاہئے تاکہ ہر فرد اپنے انفرادی واجتماعی فرائض سے آگاہ ہو جائے۔

قواعدوضوابط کی تکوینی بنیاد

قوانین وضوابط ایسے فرائض ہیں جو انسانی زندگی کی مصلحتوں کی حفاظت کے لئے وضع ہوئے ہیں ۔اس لحاظ سے ان کی قدروقیمت اجتماعی ہے نہ فطری وتکوینی ۔یعنی فطرت میں حکم فرماقوانین کا خودبخود کوئی اثر نہیں ہے ،بلکہ جب معاشرے کے لوگ انھیں جاری کرتے ہیں تو یہ جاری ہوتے ہیں ورنہ یہ ایک بے اثر افسانہ کے علاوہ کچھ نہیں ہوتے۔

اس کے باوجود یہ قوانین وضوابط ،فطرت وتکوین سے بے ربط بھی نہیں ہیں،بلکہ ان میں تکوین کی اصل موجود ہے۔

فطرت اورانسان کی فطری ضرورت ان کاسرچشمہ ہے .یعنی خدائے متعال نے انسان کی خلقت کچھ اس طرح کی ہے کہ خواہ نخواہ اجتماعی افکار کے ایک سلسلہ کو وجودمیں لاکر انھیں قابل استفادہ قرار دیتا ہے اور اپنی تکوینی زندگی کو ان پر تطبیق کرتا ہے اور اپنے وجودی مقاصد تک پہنچتا ہے۔

زندگی کے قوانین کی طرف تکوینی ہدایت

ہم جانتے ہیں کہ خدائے متعال اپنی عنایت کاملہ اور بے پناہ محبت کی بدولت اپنی ہر مخلوق کواس کے وجودی مقصد تک پہنچاتا ہے اور انسان بھی اس قانون سے مستثنی نہیں ہے ،پس خدائے متعال کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے لئے کچھ ایسے قوانین وضوابط وضع کرے جو اس کی زندگی کی راہ ورسم کو تشکیل دے اور ان پر عمل کے ذریعہ انسان کی مصلحتیں اور منافع پورے ہو سکیں اوران کو حاصل کرنے کے لئے صرف عقل کافی نہیں ہے۔کیونکہ کبھی خودعقل بھی درک کرنے میں خطا کرتی ہے اور اکثر اوقات عقل عادت ، تقلید اور وراثت میں ملی صفات سے متاثر ہوکر ہواوہوس سے مغلوب ہو کر انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔جیسا کہ ہم جان چکے کہ،عقل انسان کو منافع طلبی کے قانون کی طرف رہنمائی کرتی ہے ،اور اگر انسان کبھی دوسروں کے لئے حق کا قائل ہوتا ہے اور عام قانون کی پیروی کرتا ہے،تو وہ بنابر مجبوری اور اپنے شخصی منافع کو حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے ،اسی وجہ سے اکثر لوگ جب قدرت و توانائی کے عروج پر پہنچتے ہیں تو اپنے مقابلہ میں کسی حریف اور مخالف کو کچھ نہیں سمجھتے ،ہر قانون وحکم کی سرکشی کرتے ہیں اور دوسروں کے منافع کو اپنے لئے مخصوص کر اتے ہیں اور ان کے حقوق کو پامال کرتے ہیں۔

لہٰذا خدائے متعال کو چاہئے کہ لوگوں کو ان کی زندگی کی راہ و رسم کے بارے میں ایک ایسے طریقہ سے راہنمائی کرے،جو ہرقسم کی خطاولغزش سے محفوظ ہو اور وہ طریقہ (نبوت)ہے،اور وہ یہ ہے کہ خدائے متعال اپنے بعض بندوں کو راہ فکر وعقل کے علاوہ ایک اور راہ (راہ وحی) سے معارف واحکام کے ایک سلسلہ کی تعلیم دے تا کہ ان پر عمل کے ذریعہ لوگوں کی حقیقی سعادت کی طرف رہنمائی کرسکے۔

نتیجہ :

مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ خدائے متعال کو چاہئے کہ اپنے بعض بندوں کو غیبی تعلیم کے قوانین سے آگاہ کر کے بھیجے جو انسانی سعادت کے ضامن ہیں۔خدا کے پیغام لانے والے انسان کو پیغمبر یا خدا کارسول کہتے ہیں ،اور خدا کی طرف سے لائے گئے پیغامات کے مجموعہ کو''دین''کہتے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہواکہ خداکی طرف سے بھیجے گئے دینی معارف اور الٰہی قوانین کو صحیح طور پر تبدیلی،اور کمی بیشی کے بغیر لوگوں کے پاس پہنچنا چاہئے۔یعنی خدا کا پیغمبروحی الٰہی کو حاصل کرنے میں خطا نہ کرے اوراس کی حفاظت میں بھول چوک اور لغزش سے دو چارنہ ہو اور اس کو لوگوں تک پہنچانے میں غلطی یا خیانت نہ کرے۔جیساکہ ہم نے بیان کیا کہ ضروری معارف اورزندگی کے قوانین کی طرف لوگوں کی ہدایت نظام خلقت کا جزو ہے اور یہ انسان کی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔خلقت اپنی راہ کو طے کرنے میں ہر گزخطااور لغزش کو قبول نہیں کرتی ،مثال کے طور پر یہ ممکن نہیں ہے کہ نظام

خلقت ،انسان کے تناسل سے ایک پتھر یا پودے کو وجود میں لائے یا گیہوں کے دانہ کو بونے کے بعد ایک حیوان پیدا ہو یا انسان کی آنکھ موجودہ حالت میں معدہ کا کام انجام دے یا کان دل کا کام انجام دے۔

اس چیز سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے انبیاء کو معصوم ہونا چاہئے۔یعنی جس کا م کو وہ خود واجب جانتے ہو ں اسے ترک نہ کریں اور جس کام کو وہ خود گناہ جانتے ہوںانہیں انجام نہ دیں ، کیونکہ ہم (انسان)اپنے ضمیر سے جانتے ہیں کہ جو اپنی بات پر عمل نہ کرے، حقیقت میں وہ اس بات کے صحیح اور سچ ہونے کا قائل نہیں ہے۔اس صورت میں اگر پیغمبر گناہ کا مرتکب ہو جائے ،تو کوئی اس کی بات پر یقین نہیں کرے گااور تبلیغ کا مسئلہ بے اثر ہوگا اور اگر بعد میں توبہ اور اظہارندامت بھی کرتا ہے تو بھی ہمارا دل اس کی طرف سے صاف نہیں ہوگا اور ہر حالت ہیں تبلیغ کا مقصد فوت ہو جائے گا ۔خدائے متعال فرماتا ہے :

" عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۔إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۔لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا "۔ (سورۂ جن،آیت ۲۸،۲۶)

''وہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں کرتا۔مگر جس رسول کو پسند کر لے تواس کے آگے پیچھے نگہبان فرشتے مقرر کردیتا ہے ،تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے۔''

انسان اور دوسری مخلو قات کی ہدایت میں فرق

توحید کی بحثوں سے واضح ہو تا ہے کہ اشیاء کی تخلیق خدا کی طرف سے ہے ،لہٰذا ان کی پرورش بھی اسی سے مربوط ہے۔واضح الفاظ میں یہ کہا جائے کہ کائنات کی ہر مخلوق ،اپنی پیدائش کے آغاز سے اپنی بقااور نقائص کو دور کرنے میں سر گرم عمل ہوتی ہے اورا اپنی کمیوں وضرورتوں کو یکے بعد دیگررفع کرتی ہے اور امکان کی حدتک اپنے آپ کو کامل اور بے نیاز کرتی ہے۔اپنی بقاکے سفر میں ایک منظّم حرکت کے تحت اپنے وجود کو جاری رکھتی ہے ،اس سفر کو منظّم کرنے والا اور ہر منزل پر اسکا رہبر خدائے متعال ہے۔

اس نظریہ کے مطابق ایک قطعی نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر قسم کی مخلوق ایک خاص تکوینی پرو گرام کے تحت باقی ہے اور اس میں اپنی خاص سر گرمی ہوتی ہے۔دوسرے الفاظ میں ،کائنات کے مظاہر میں سے ہر معیّن گروہ کے لئے ، اپنی بقاکے سفر میں کچھ معیّن فرائض ہیں جو خدائے متعال کی طرف سے انھیں عطا ہوتے ہیں ۔ چنانچہ قرآن مجید اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

(ربّنا الّذی عطی کلّ شیءٍ خلقه ثمّ هدی) (طہ۵۰)

''...ہمارارب وہ ہے جس نے ہرشے کو اس کی مناسب خلقت عطا کی ہے اورپھر ہدایت بھی دی ہے ''

خلقت کے تمام اجزااس کلی حکم میں شامل ہیں اور ان میں سے ہر گز کوئی مستثنیٰ نہیں ہے آسمان کے ستارے اورہمارے پیروں تلے زمین اور ان میں موجود عناصر اور ابتدائی مظاہر کو ظاہر کرنے والی تر کیبیں اورنباتات وحیوانات ، سبھی کی یہی حالت ہے۔اس عام ہدایت میں انسان کی حالت بھی دوسری

مخلوقات کے مانند ہے ، سوائے یہ کہ انسان اور دوسری مخلوقات کے درمیان ایک فرق ہے۔

انسان اور دوسری مخلوقات میں فرق

مثال کے طور پر کرۂ زمین کو لاکھوں سال پہلے خلق کیاگیا ہے ،جو اپنی تمام پوشیدہ توانائیوں کو استعمال میں لاکرا پنے دائرہ حدود میں جب تک مخالف عوامل مانع نہیں ہوتے اس وقت تک سرگرم عمل ہے اوراپنی وضعی وانتقالی حرکت کے نتیجہ میں اپنے وجودی آثار کو ظاہر کرتا ہے اور اس طرح اپنی بقا کی ضمانت حاصل کرتا ہے اور جب تک کوئی اس سے قوی مخالف عامل رکاوٹ نہ بنے ،اسی سرگرمی کو جاری رکھے گا ،اور اپنے فرائض کو نبھانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرے گا۔

بادام کا درخت گٹھلی سے باہر آنے کے وقت سے کامل درخت کی صورت اختیار کرنے تک،تغذیہ ،رشدونمو وغیرہ میں،دوسرے الفاظ میں اپنے تکامل کے سفر کی راہ میں کچھ فرائض انجام دیتا ہے کہ اگر کوئی قوی تر مخالف عامل رکاوٹ نہ بنے تواپنے فرائض کو انجام دینے میں ہرگز کوتاہی نہیں کریگا اور کوئی کوتاہی کر بھی نہیں سکتا۔ہردوسری مخلوق کی بھی یہی حالت ہے۔لیکن انسان ،اپنی خصوصی سرگرمیوں کو اپنے اختیار سے انجام دیتا ہے اور جو کام انجام دیتا ہے ،اس کا سرچشمہ اس کی فکر اور اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔ممکن ہے انسان کبھی ایک ایسے کام کو انجام دینے سے پہلو تہی کرے ،جو سو فیصدی اس کے نفع میں ہوا ور کوئی مخالف عامل بھی رکاوٹ نہ بنے اور اس کے مقابلہ میں ایک ایسے کام کوجان بوجھ کر انجام دے جس میں سوفیصدی ضرراورنقصان ہو ،مثلا کبھی دوائی کھانے سے پرہیز کرتا ہے اورکبھی جام زہر نوش کرکے خودکشی کرتا ہے۔

البتہ واضح ہے کہ جو مخلوق مختار پیداکی گئی ہے ہو،عام ہدایت اس کے لئے جبری نہیں ہوگی۔یعنی انبیاء ،خیر وشر اورسعادت و بدبختی کی راہ کو خدائے متعال کی طرف سے لوگوں کو بیان کرتے ہیں اوردین کے پیرئوں کو ثواب کا مژدہ سناکر پروردگار کی رحمت سے امیدوار بناتے ہیں سرکشوں اورباغیوں کو خدا کے عذاب سے ڈراتے ہیں اور وہ ان میں سے ہر ایک کو اختیار کرنے میں آزادومختار ہوں گے۔

صحیح ہے کہ انسان اپنے خیروشراور نفع ونقصان کو اجمالا عقل سے سمجھتا ہے۔لیکن یہی عقل، اکثراوقات اپنے کو گم کرکے نفسانی خواہشات کی پیروی کرتی ہے ،اور کبھی غلط راستہ پر چلتی ہے لہٰذاخدا کی ہدایت عقل کے علاو ہ کسی اور راستہ سے بھی انجام پانی چاہئے اور وہ اس راستہ کو خطاولغزش سے با لکل محفوظ ہونا چاہئے ۔یا دوسرے الفاظ میں خدائے متعال اپنے احکام کواجمالی طور پرعقل سے لو گوں کو سمجھاتا،اور ایک دوسر ے راستہ سے اس کی تصدیق فرماتا۔

یہ راستہ،وہی ''نبوت''کا راستہ ہے کہ خدائے متعال اپنے سعادت بخش احکام کو وحی کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو سمجھاتا ہے اور اسے مامور کر تا ہے کہ انھیں لوگوں تک پہنچائے اور انھیں امید و خوف کے ذ ریعہ شوق دلاکراور ڈراکر ان احکام پر عمل کرنے کے لئے مجبور کرے۔خدائے متعال اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے:

ً

(إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ .....رُّسُلاً مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلاَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا) (سورۂ نسا،آیت ۱٦۵،۱٦٦)

''ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوح اور ان کے بعدکے انبیاء کی طرف وحی کی تھی ...یہ سارے رسول بشارت دینے والے اورڈرانے والے اس لئے بھیجے گئے تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد انسانوں کی حجت خداپر قایم نہ ہونے پائے ''

پیغمبر اکرم کی حاکمیت از نظر قرآن

سید ثمر علی نقوی

مقدمہ :

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو انسانی معاشرہ کی فلاح اور اصلاح کی غرض سے اپنے حبیب حضرت محمدؐ کے ذریعے نازل کیا ،دین درحقیقت ایسے قوانین کا مجموعہ ہے جو خالق کائنات کی جانب سے انسان کی ہدایت کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے ، قرآن مجید میں انسانی ضرورت کے تمام اصول و ضوابط کو بیان کیا گیا ہے ،انسان چونکہ اجتماعی اور معاشرتی زندگی کا حامل ہے بنا بریں قرآن مجید کا اکثر و بیشتر حصہ بلکہ مکمل طورپر اجتماعی وسیاسی مسائل پر مشتمل ہے ،مباحث قرآن کا محور و مرکز توحید ہے،توحید کی اقسام میں سے جہاں توحید ذاتی ،صفاتی ،افعالی اور عبادی پر بحث و تفسیر کی ضرورت ہے وہیں ''توحید ربوبیت '' بھی حائز اہمیت ہے جو توحید افعالی کی ایک قسم شمار ہوتی ہے جس سے انسان کو یہ درس ملتا ہے کہ جس طرح خدا کے علاوہ ''خالق'' کوئی نہیں ہو سکتا اس طرح اللہ کے بغیر پورے عالم کے امور کی مدیریت کے لائق بھی کوئی نہیں ہو سکتا ،نظام کائنات کو چلانے میں خدا کا شریک تسلیم کرنے والا بھی اُسی طرح مشرک ہے جس طرح تخلیق کائنات میں خدا کا شریک ٹھہرانے والا مشرک ہے۔

حقیقت میں توحید خالقیت پر اعتقاد کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمام امور کی تدبیر کا مالک بھی ''ایک خدا ہے ''انسانی معاشرہ کی تدبیر کو عملی صورت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان ہی کو زمین پر اپنا خلیفہ اور نمائندہ بنا کر بھیجا ،انبیاء کی بعثت کا مقصد انسانوں کی تربیت اور معاشرے پر عادلانہ نظام کا قیام تھا ۔

" هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ "(۱)

''وہی (خدا) ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے ''

نیز فرمایا: " لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ "(۲)

''اور ہم نے اپنے انبیاء کو واضح نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب (قانون) اور میزان (عدالت) کو بھی نازل کر دیا تاکہ لوگوں میں انصاف کو قائم کریں ''

اسلام کا بنیادی مقصد انسان کو اندرونی اور بیرونی سطح پر تربیت کرنا ہے۔ بنا بریں تزکیہ نفس کے بعد معاشرتی تزکیہ (اصلاح) کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیا کو ایک مشترکہ لائحہ عمل دے کر بھیجاتاکہ کہ لوگوں کو خدا کے نظام

کے تحت زندگی گزارنے اور ہر قسم کے غیر متعادل نظام سے پرہیز کرنے کا درس دیں۔

" وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ"(۳)

''یعنی ہم نے ہر زمانہ میں رہنے والے لوگوں کے لیے جو رسول بھیجا اس کا ایک ہی شعار تھا کہ اللہ کی بندگی و عبادت کرو اور ظالم طاغوت سے دور رہو ''

اس آیہ اور دیگر بہت سی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی نے اپنے زمانہ میں موجود غیر الٰہی حکمرانوں کے تسلط سے قوموں کو آزاد کرانے کے لیے نہ صرف زبانی تبلیغ کی ہے بلکہ طاغوتی حاکمیت کے خاتمہ کے لیے عملی جدوجہد کی اور بعض نے کامیابی کے بعد اللہ کی حاکمیت کو معاشرے پر نافذ بھی کیا ہے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی حکومت کا واضح ذکر قرآن میں موجود ہے ،اسی طرح دیگر انبیاء جن میں حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیم کی طاغوت شکن جدوجہد کا ذکر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ انسانوں پر صرف اللہ کی حکومت ہونے کی صورت ہیں ہی توحید عملی شکل اختیار کر سکتی ہے۔

حضرت پیغمبرؐ کی سیاسی حاکمیت ہیں عقلی اعتبار سے تو کوئی شک وشبہ نہیں ہے ، اس لیے کہ ایک طرف انسان کا بغیر حکومت کے زندگی گزارنا، ناممکن ہے اور دوسری طرف خالق انسان کے علاوہ حکومت کا کامل نظام دینے کا کوئی اہل نہیں ہے نیز دیگر انبیاء کی بعثت کا مقصد معاشرے پر اللہ کی حاکمیت کا نفاذ ہے تو خاتم الانبیاءؐ کو صرف تبلیغ وارشاد کی ذمہ داری تک محدود کرنا کس طرح ممکن ہے ؟

لیکن قرآنی آیات کے تناظر میں ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ مبلغ احکام ہونے کے ساتھ ساتھ سیاسی حاکمیت کے حامل بھی تھے جو در حقیقت خلافت کی شکل میں الٰہی حاکمیت ہے ، البتہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عقلی ادلہ اور بہت سی آیات کے باوجود بعض علماء پیغمبر اکرمؐ کے سیاسی منصب اورآپؐ کی سیاسی حاکمیت کا انکار کرتے ہیں اور آنحضرتؐ کا تعارف اس طرح پیش کرتے ہیں کہ آپؐ صرف مبدا ومعاد کی تبلیغ پر مامور تھے اوران کا معاشرے کی سیاسی قیادت و راہبری سے کوئی تعلق نہ تھا جس کی وجہ سے اس موضوع کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

دین اور معاشرہ

پیغمبر اکرمؐ کی سیاسی قیادت کے اثبات سے پہلے ''دین ''کی حقیقت کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ آپؐ جس ''دین ''کے ''مبلغ '' تھے اُس کی صحیح صورت سامنے آسکے،قرآن مجید کی نظر میں دین سے مراد ''انسانی زندگی کی عملی روش کا حدود اربعہ ''ہے جس کی ایک دلیل وہ آیات ہیں جن میں خداوند متعال نے کفار و مشرکین کے راہ و رسم اور زندگی گزارنے کی روش کو بھی ''دین '' سے تعبیر کیا ہے۔

"لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ"(۵)

''تمہارے لیے تمہارا دین میرے لیے میرا دین ''

اسی طرح فرعون جو اپنے علاوہ کسی کو خدا تسلیم نہیں کرتا تھا،لیکن حضرت موسیؑ کے مقابلے کے لیے عوام کو بھڑکانے کی خاطر ''دین '' کاسہارا لیتے ہوئے کہتا ہے :

"اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ"(۶)

"مجھے ڈر ہے کہ یہ (موسیٰ) تمہارا "دین " بدل ڈالے گا یا زمین میں فساد بر پا کرے گا "

خداوند کریم نے بھی پیغمبر اکرمؐ کی زبان سے زندگی گزارنے کے چند طور طریقے بیان کرنے کے بعد لوگوں کو اسی راستے (دین) پر چلنے کی تاکید فرمائی۔

"وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ "(۷)

" اور بتحقیق یہی (دین) میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے "۔

بنابریں انسانی زندگی گزارنے کی روش اور طور طریقے دو قسم کے ہو سکتے ہیں ایک باطل راستہ ہے جو شیطان اور شیطانی حکمرانوں کا طور طریقہ ہے اور دوسرا فطرت انسانی کا راستہ ہے کہ جس کی طرف خدا نے اپنے نمائندوں کے ذریعے دعوت دی ہے اور اسی راہ وروش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ہر نبی الہیٰ نے کوشش بھی کی ہے لیکن شیطانی و طاغوتی حکمرانوں کی عوام فریبی کی وجہ سے صرف چند انبیاء حاکمیت الہیٰ کو نافذ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں جس ہیں ہمارے نبی آخر الزماںؐ کے ہاتھوں قائم ہونے والی حکومت ایک بہترین نمونہ ہے ،عصر حاضر کے عظیم مفسر قرآن علامہ طباطبائی نے بھی انسانی معاشرہ میں راہ و روش کو دین سے تعبیر کیا ہے اور سورۂ روم کی آیت ۳۰ کی تفسیر میں "دین " کو "دین فطرت " کے طور پر ثابت کیا ہے۔(۸)

دین فطرت سے مراد یہ ہے کہ انسانی خلقت کے اندر خالق انسان نے زندگی گزارنے کے وہ طریقے جو انسان کو کمال وترقی تک لے جانے کا وسیلہ ہیں، ودیعت کر دیئے ہیں ،اسی بناپر اپنے آخری نبیؐ کو حکم دیا کہ اسی فطری دین پر قائم رہو ،تاکہ اپنی امت کی قیادت و راہبری کرتے ہوئے انہیں کمال کی منزل پر فائز کر سکو۔

" فَأَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ "(۹)

"پس (اے نبی) یکسو ہو کر اپنا رُخ دین (خدا) کی طرف مرکوز رکھیں ،اللہ کی اس فطرت کی طرف جس پر اس نے سب انسانوں کو خلق کیا ہے ،اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں آتی یہی محکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے "

اس آیہ مجیدہ میں بھی خدا نے نظام حیات کو دین سے تعبیر کیاہے اور فرمایا یہ ایسا نظام حیات ہے جو دیگر نظام کائنات کی طرح نظم و ضبط اور ہم آہنگی پر قائم ہے اور چونکہ تخلیقی نظام ہے لہٰذا کبھی تبدیلی نہیں آئے گی یعنی، فطرت اور شریعت میں وحدت واتحاد قائم ہے اسی بنا پر انبیاء کو بھیجا تاکہ ظالمانہ ماحول میں رہنے کی وجہ سے اس مدفون فطری نظام کو روشن و اجاگر کریں۔

علامہ طباطبائی کہتے ہیں :دین فطرت سے مراد وہ قوانین و ضوابط ہیں جو انسان پسند ہیں کیونکہ یہ انسان کی خلقت کے ساتھ مربوط ہیں اور انسانی عقل سے مکمل طور پر مطابقت رکھتے ہیں۔ (۱۰)

پیغمبرؐ کی سیاسی حاکمیت سے مراد کیا ہے ؟

آپؐ کی سیاسی حاکمیت سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے جملہ امور کی قیادت و راہبری اور حکمرانی کا حق خداوند تعالیٰ نے

اپنے معصوم نمائندے حضرت پیغمبرؐ کو عطا کیا ہے ،یعنی پیغمبر اکرمؐ صرف احکام الہیٰ کو بیان کر نے والے نہیں یا لوگوں کے باہمی اختلافات اور مشاجرا ت کے حل کے لیے صر ف قاضی تحکیم نہیں کہ قضاوت کر تے ہو ئے صرف فیصلہ سنا دیں بلکہ اس قضاوت اور فیصلہ پر عمل در آمد کرانے کے بھی ذمہ دار ہیں ، حاکمیت کا نقط ''حکم ''سے ماخوذ ہے اور قرآن مجید میں ''حکم '' سے مراد تشریع یعنی قانون وضع کر نا اور معاشرے پر قانون کوحاکم قرار دینا ہے ،جو کہ ذاتی طورپر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا :

" وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ "(۱۱) "

اور جس بات میں تم اختلاف کر تے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے ہو گا " ۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فیصلے کو عملی طور پر نافذ کر انے کے لیے اپنا اختیار اپنے نبیؐ کو تفویض کر تے ہو ئے اعلان فرمایا:

" إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ "(۱۲)

" (اے رسول) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ پر نازل کی ہے تاکہ جیسے اللہ نے آپ کو بتایا ہے اسی کے مطابق لوگوں میں فیصلہ کر یں " ۔

اگر چہ یہ آیت شان نزول کے لحاظ سے ایک چوری کے فیصلہ سے متعلق نازل ہو ئی ہے لیکن یہ ثابت شدہ ہے کہ شان نزول مراد متکلم کومحدود ومنحصر کرنے کا باعث نہیں بنتا ،اس بناپر پیغمبر اکرمؐ ہر قسم کے فیصلے کرنے اور انہیں عملی طور پر نافذ کر نے کے ذمہ دار ہیں با الفاظ دیگر معاشرے پر حکومت کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

امام خمینی کا نظریہ

''حکم عقل اور ضرورت ادیان کی روسے انبیا ء کی بعثت کا مقصد اور کار انبیا ء صرف مسئلہ گوئی اور بیان احکام نہیں تھا اور ایسا نہیں ہے کہ مسائل و احکام بذریعہ وحی رسول اکرمؐ کو پہنچے ہو ں اور آنحضرتؐ و امیر المومنین ۔ اور دیگر ائمہ صرف 'مسئلہ گو ' رہے ہو ں کہ خدا و ند عالم نے ان حضرات کو صرف اس لیے معین کیا ہے کہ مسائل و احکام کو کسی خیانت کے بغیرلوگوں کے سامنے بیان کر دیں اور انہوں نے بھی اس امانت کو فقہا کے حوالے کر دیاہو کہ جو مسائل انبیا ء سے حاصل کیے ہیں کسی خیانت کے بغیر لوگوں تک پہنچا دیں اور اس طرح 'الفقہا ء امناء الرسل ' کا مطلب یہ ہو کہ فقہا ء بیان مسائل میں امین ہیں ایسا ہر گز نہیں بلکہ انبیا ئ کااہم ترین فریضہ قوانین و احکام کو جاری کر کے عادلانہ اجتماعی نظام قائم کر نا ہے جو یقینا بیان احکام و نشر تعلیمات الہیٰ کے ساتھ ساتھ ایک طاقتور حکومت کا خواہاں ہے ''

نیز فرماتے ہیں کہ خداوند عالم نے جو خمس کے سلسلہ میں فرمایا ہے :

" وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ.."(۱۳)

''اور جان لوکہ جو کچھ مال کسب کرو اس کا پانچواں حصہ اللہ ،رسول اور اس کے قرابت دارروں کے لیے مخصوص ہے ''۔

یا زکوۃ کے لیے جو فرمایا ہے :"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً"(۱۴)

" آپ ان کے اموال ہیں سے صدقہ لیجئے"۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم کو صرف احکام بیان کرنے کے لیے معین نہیں کیا بلکہ ان احکام کے نفاذ اوراجراء کی ذمہ داری کو بھی ان کے سپرد کر دیاہے آپؐ اس پر مامور تھے کہ خمس ،زکات اور خراج جیسے ٹیکسوں کو وصول کر کے مسلمانوں کو نفع پہنچانے پر خرچ کریں قوموں اور افراد کے درمیان عدالت کو وسعت دیں، حدود کو جاری کریں ،سرحدوں کی حفاظت کریں، ملک کی آزادی کو قائم کریں اور حکومت اسلامی کے ٹیکسوں کو خورد برد سے بچائیں۔(۱۵)

پیغمبر اکرمؐ کی سیاسی حاکمیت سے متعلق آیات :

اس سلسلے میں کثیر تعداد میں آیات موجود ہیں جنہیں تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ایسی آیات جن میں اطاعت پیغمبر اکرمؐ کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔جو پیغمبر اکرمؐ کی ولایت و حکومت سے متعلق ہیں۔

۳۔وہ آیات جو پیغمبر اکرمؐ کو تمام امور اجتماعی میں محوروِمرکز قرار دیتی ہیں۔

۱۔اطاعت پیغمبرؐ سے متعلق آیات :

اس قسم کی آیات میں مختلف صورتوں میں پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت کو مورد تاکید قراردیاگیا ہے،بعض آیات میں بلا تفریق تمام انبیاء کی اطاعت کیے جانے کو اہداف بعثت میں شمار گیاکیا ہے۔

" وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلاَّ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّهِ "(۱۶)

"ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس لیے بھیجا ہے کہ باذن خدا اس کی اطاعت کی جائے" ۔

بعض آیات میں رسولؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کا تسلسل قرار دیا ہے۔

" مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ "(۱۷)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی "۔

مندرجہ بالا آیات میں درحقیقت پیغمبرؐ کی اطاعت کی اہمیت کو مختلف انداز میں پیش کیا تاکہ لوگ دل و جان سے اپنے راہبر کی پیروی کریں،اس کے علاوہ کچھ آیات ایسی ہیں جن میں براہِ راست پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

" أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ "(۱۸)

"اللہ کی پیروی کرو اور اس کے رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی پیروی کرو"

ایک اور مقام پر فرمایا :

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَرَسُولَهُ وَلاَ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ "۔(۱۹)

"اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرو اور تم حکم سننے کے بعد اس سے روگردانی نہ کرو"

اگرچہ ان آیات میں اطاعت خداوند کا بھی ذکر ہے لیکن اصل مقصد پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت کو بیان کرنا ہے،چونکہ بعد والی آیات میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو رسول اکرمؐ کی بات سنتے لیکن عمل نہیں کرتے تھے ایسے لوگوں کو بدترین جانوروں سے تعبیر کیاگیا ہے ،جبکہ پیغمبر اکرمؐ کی دعوت پر لبیک کہنے اور حضورؐ کے نظام کے مطابق چلنے کو حیات بخش قرار دیا ہے۔(۲۰)

علاوہ بریں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم علیحدہ طور پر کسی آیت میں ذکر نہیں ہوا جب کہ بہت سے آیات میں پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت کو علیحدہ بھی بیان کیا ہے۔

" وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ "(۲۱)

" اور نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔
گویا جس طرح نماز و زکات یا دیگر احکام ، عملی زندگی کا حصہ ہیں اسی طرح پیغمبرؐ کا ہر حکم بھی عملی زندگی کا حصہ ہے سینکڑوں احکام میں سے نماز وزکات جیسے دو نمونے ذکر کرنے کامقصد شاید یہ تھا کہ جس طرح نماز و زکات کے بغیر انسانی معاشرہ کمال و ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا اسی طرح حاکم اسلامی کی اطاعت اور ان کے دیگر اوامر کی پیروی کے بغیر بھی انسانی کمال کا راستہ طے کرنا نا ممکن ہے۔
توجہ طلب بات یہ ہے کہ رسول کی اطاعت و پیروی کو مستقل طور پر بیان کیاہے جس کالازمی نیتجہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ سے کچھ ایسے اوامر واحکام بھی صادر ہو ں گے جن کا ذکر قرآن میں درج نہیں‌ہے وگرنہ پیغمبر کی اطاعت کی الگ سے تاکید کرنا لغو بیہودہ قرار پائے گا نیزیہ کہ بعض انبیاء کی زبا ن سے تو خدا نے واضح طور پر بیان کیا کہ نبی کی اطاعت کے بغیر تقویٰ کامقام بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔
حضرت نوحؑ کی زبانی نقل فرمایا :
"إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۔فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ "(۲۲)
" میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہو ں ٥لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو"۔
حضرت نوحؑ کا "اطیعوا اللہ یا اطیعوا ربی '' جیسی تعبیر کی بجائے ''اطیعونی'' کہنا ،اس بات کی دلیل ہے کہ بہت سے احکام ''کتاب اللہ''میں موجود نہ بھی ہوں رسول کو امانت دار نمائندہ الہیٰ سمجھتے ہوئے اطاعت کرنے میں انسان کی فلاح و سعادت مضمر ہے۔

اس قسم کی جملہ آیات کاانداز یہ بتاتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ معاشرتی و اجتماعی احکامات صادر کرنے کا حق بھی رکھتے ہیں اور اللہ کی جانب سے ان احکام کو نافذ کرنے کا اختیار بھی انہیں کو حاصل ہے ، نیز بعض آیات کی روسے اللہ کا رسول اپنے ''اختیار حاکمیت '' میں دیگر افراد کو بطور نائب منصوب کرنے کا مجاز بھی ہے ، جیسے حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو فرمایا :
"وَقَالَ مُوسَى لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي "۔(۲۳)
''میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا۔''
حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی قوم سے یہی کہا کہ جب ''رحمٰن ''پروردگار پر ایمان لے آئے ہو تو میرے راستے پر چلو اور میرے ہر حکم پر عمل کرو۔
"وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي "(۲۴)
" اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اے میری قوم ! بے شک تم اس (بچھڑے) کی وجہ سے آزمائش میں پڑ گئے ہو جب کہ تمہارا پروردگار تورحمٰن ہے لہٰذا تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو"۔
بعض آیات میں پیغمبر اکرمؐ کی اطاعت بطور مطلق اور عمومیت کے ساتھ بیان ہو ئی ہے یعنی لوگوں پر واجب ہے کہ اپنے ہر قسم کے انفرادی واجتماعی امور میں پیغمبرؐ کی پیروی کریں۔
"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا "(۲۵)
"اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ"۔
اس آیت کے شان نزول کے بارے میں ملتا ہے کہ یہ فئے (بغیر جنگ کے ہاتھ آنے والے مال) کی تقسیم کے موقع پر نازل ہو ئی جس میں مسلمانوں پر واضح کر دیا گیاکہ پیغمبر اکرمؐ اگر کسی مصلحت

کی بناپر غیر مساوی تقسیم بھی کرتا ہے تواس کے ہر فیصلہ پر دل وجان سے عمل کیا جائے۔اگر چہ ''ما'' مطلق ہے اور ہر قسم کے فرامین رسولؐ کو شامل ہے اور روایات میں بھی اس آیہ کے ضمن میں پیغمبر اکرمؐ کے تمام فرامین کو مراد لیا گیا ہے۔جس کا معنی یہ ہے کہ آنحضرتؐ ایک الٰہی نمائندے واسلامی معاشرے کے حکمران ہونے کی حیثیت سے احکام صادر کرنے کا حق رکھتے ہیں اور اس ''حق حاکمیت'' کی بناپر واجب الاطاعت بھی ہیں۔

ایک اعتراض کا جواب

کچھ لوگوں نے اطاعت پیغمبرؐ کے بارے میں اعتراضات وشبہات پیدا کیے ہیں، منجملہ یہ کہ بعض آیات میں پیغمبر اکرمؐ سے ہر قسم کے اختیار کی نفی کی گئی ہے اور تمام امور کو خدا کی طرف نسبت دی گئی ، جیساکہ ارشادرب العزت ہے :

"لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ "(۲۶)

''(اے رسول)اس بات میں آپ کا کوئی دخل نہیں ،اللہ چاہے تو انہیں معاف کر دے یا چاہیے تو سزا دے''۔

نیز فرمایا :"اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّه لِلّٰهِ" (۲۷) یعنی :''ہر قسم کا امر (اختیار)اللہ کے ساتھ مختص ہے ''

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی آیت کا اس مطلب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بلکہ زمانہ جاہلیت کا مزاج رکھنے والوں کے شک کے جواب میں فرمایا کہ ہر قسم کی فتح یا شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے ،نیز جنگ احد میں شکست کے وقت کفریہ جملے کہنے والوں کی سزا یا بخشش کے بارے میں توحید کا درس دینے کی غرض سے فرمایا۔دوسری آیہ مجیدہ ہیں،اگرچہ ہر قسم کے امور کو اللہ کے ساتھ مختص ہونا بیان ہوا ہے لیکن یہ کوئی عجیب بات نہیں اکثر امور کو خدا نے اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ مثال کے طورپر ہدایت کے مسئلے میں ایک مقام پر فرمایا۔

"إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ "(۲۸)

''(اے محمد) جسے آپ چاہتے ہیں اُسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ''

جب کہ دوسرے مقام پر فرمایا :

"اِنَّكَ لَتَهْدِي اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ "(۲۹)

''بے شک آپ ہی سیدھے راستے کی جانب راہنمائی کر رہے ہیں ''

اس قسم کی آیات ، کئی مقامات پر ملتی ہے کہ خداوند متعال بعض امور کو اپنی طرف نسبت دیتا ہے پھر انہی امور کو اپنے نمائندے کی طرف بھی نسبت بھی دیتا ہے،جس کی مفسرین نے یہ وضاحت کی ہے کہ تمام امورکا تعلق ذاتی طور پر اللہ کے ساتھ ہے لیکن اللہ اپنے اذن اور اجازت سے یہ امور اپنے انبیاء کو سپرد کرتا ہے اگر غور کیاجائے تو توحید ونبوت کی حقیقت بھی یہی ہے ،پس نتیجہ یہ نکلا چونکہ پیغمبر اکرمؐ کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تسلسل ہے اس بناپر آپؐ نہ صرف مبلغ دین ہیں ،بلکہ اسلامی حاکم ہونے کے عنوان سے دینی احکام کو عملی طور پر نافذ کرنے کے ذمہ دار بھی ہیں۔

۲۔پیغمبر اکرمؐ کی ولایت وحکومت سے متعلق آیات :

اس قسم میں بعض آیات ولایت پیغمبرؐ کو ولایت خدا کی صف میں بیان کرتی ہیں اور بعض آیات میں علیحدہ سے ولایت پیغمبر کو ذکر کیا گیا ہے ،ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ "(۳۰)

''تمہار ا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہل ایمان ہیںجو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکات دیتے ہیں ''

" وَمَن يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ فَإِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُونَ "(۳۱)

''اور جو اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں کو اپنا ولی (سرپرست) بنائے گا (تو وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہو جائے گا) اور اللہ کی جماعت ہی غالب آنے والی ہے ''۔

نیز فرمایا :" اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ "(۳۲)

"نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہے"۔

ان آیات سے واضح ہو تا ہے کہ لوگوں کے تمام انفرادی واجتماعی امور میں رسول خداؐ کو ولایت وحاکمیت حاصل ہے یعنی پیغمبرؐ کے احکامات کے مقابلے میں لوگوں کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیغمبر خداؐ کو لوگوں کے معاشرتی و اجتماعی امور میں دخالت کا نہ صرف حق حاصل ہے بلکہ ان امور ہیں پیغمبرؐ کا حکم ہی نافذ العمل سمجھا جائے گا ،اس ضمن میں علامہ طباطبائی فرماتے ہیں۔

''ان کے نفسوں'' (انفسھم) سے مراد خود مومنین ہیں پس آیت کا معنی یہ ہوا کہ پیغمبر اکرمؐ مومنین پر مومنین سے زیادہ حق تصرف رکھتے ہیں''

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی پیغمبر اکرمؐ اور عام لوگوں کی رائے میں تعارض یا اختلاف پیدا ہو جائے تو پیغمبرؐ کی رائے کو ترجیح اور برتری حاصل ہو گی مختصر یہ کہ مومنین جن امور میں ذاتی اختیار رکھتے ہیں جیسے حفاظت ، محبت عزت ، کسی کی دعوت کو قبول کرنے یا اپنے ارادے پر عمل کرنے میں ، پیغمبرؐ ان سب امور میں ان پر حق اولویت رکھتے ہیں اور ان کے مقابلے میں پیغمبرؐ کا ارادہ فوقیت رکھتا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں یہ نیتجہ اخذ ہوتا ہے کہ معاشرتی و سیاسی امور میں جب پیغمبر اکرمؐ کوئی فیصلہ کردیں تو اسے مقدم سمجھا جائے گا اور اس کی روایات میں بھی وضاحت موجود ہے نیز تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ پیغمبر اکرمؐ باذن اللہ ولایت تشریعی (قوانین کے وضع و نفاذ) کے منصب پر فائز ہیں۔

۳۔تمام معاشرتی و سیاسی امور میں پیغمبرؐ کو محورقرار دینے والی آیات :

قرآن مجید میں خداوند متعال نے اپنے رسولؐ کو معاشرے کا ایسا محور و مرکز قرار دیا ہے کہ جس کے گرد جملہ امور کی گردش ہونی چاہیے ،سورۂ نور میں مومنین کو تاکید کی گئی ہے کہ ''ایمان '' کی شرط یہ ہے کہ تمام امور میں پیغمبرؐ کے تابع رہیں۔

" إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَى أَمْرٍ جَامِعٍ لَمْ يَذْهَبُوا حَتَّى يَسْتَأْذِنُوهُ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ "

"مومنین تو بس وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں اور جب وہ کسی اجتماعی معاملے میں رسول کے ساتھ ہوں تو ان کی اجازت کے بغیر نہیں ہلتے جو لوگ آپ سے اجازت مانگ رہے ہیں یہ یقینا وہ لوگ ہیںجو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں"۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہو تا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ اجتماعی مسائل میں مومنین کے مشورے کو شامل کرکے انہیں اعتماد میں لیتے تھے لیکن آخری فیصلہ پیغمبرؐ کا ہوتا اور مومنین آپکے فیصلوں کے پابند ہوتے تھے

نیز اس آیت میں خداوند حکیم نے ایک کلی قانون بھی بیان کر دیا ہے کہ معاشرتی و سیاسی امور میں ذاتی و انفرادی رائے کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ ہمیشہ پیغمبرؐ کی اجازت سے معاملات طے ہو نگے ۔اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

" لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ... "(۳۳)

''(اے مومنو!) تمہارے درمیان رسول کو پکارنے کاانداز ایسا نہ ہو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو ـــــ''

''دعاء الرسول ''کے معنی میں بعض نے دواحتمال دیئے ہیں ایک رسول ؐ کو پکارنا دوسرا رسول ؐکا پکارنا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے تو ایک اخلاقی نکتہ کی طرف راہنمائی ہے کہ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو رسول ؐ کو اس طرح مت پکارو اگرچہ رسول اکرم ؐ تو اضع و انکساری ضرورفرماتے ہیں ، لیکن امت کو رسالت کی منزلت کا لحاظ رکھنا چاہیے ،جب کہ دوسرے معنی کے لحاظ سے ایک اہم پہلو کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے یعنی رسول ؐکے بلانے کو عام آدمیوں کے بلانے کی طرح مت سمجھو ،رسول ؐ کا بلانا ،اللہ کا بلانا ہے،اس لیے کہ رسول ؐکے بلانے پر فوری لبیک کہنا ایمان کا تقاضا ہے۔احتمال کی حد تک تو پہلا معنی بھی درست ہے اور اخلاقی دستور کے لحاظ سے صحیح بھی ہے لیکن آیت میں موجود بعض تعبیرات سے معلوم ہو تا ہے کہ یہاں پر دوسرا معنی مقصود ہے کیونکہ اس حکم کے فوری بعد فرمایا :

" فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ "(۳۴)

''جو لوگ حکم رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات کا خوف رہنا چاہیے کہ مبادا وہ کسی فتنے میں مبتلا ہوجائیں یا ان پر کوئی درد ناک عذاب آجائے ''

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں :

''دعاء الرسول سے مراد پیغمبراکرمؐ کالوگوں کو کسی کام کے لیے بلانا ہے جیسے ایمان و عمل صالح کی طرف بلانا ، اجتماعی کاموں میں مشورت کے لیے بلانا ،نماز جامعہ کے لیے بلانا یا دنیاوی واخروی معاملات کے سلسلہ میں احکامات صادر کرنے کی غرض سے بلانا ہے،لہٰذا یہ سب پیغمبرؐ کے بلانے میں شامل ہیں''(۳۵)

پس معلوم ہوا کہ اگر کبھی کسی جنگ کی طرف روانہ ہونے کے لیے بلائیں یااجتماعی و معاشرتی زندگی کے لحاظ سے ایک نجات بخش تحریر لکھنے کے لیے بلائیں تواس قسم کی اجتماعی دعوت کی مخالفت کرنے والا حقیقی مومن کہلانے کاحقدار نہیں ہو سکتا۔بنابریں دونوں احتمالات کے باوجود پیغمبرؐ کی اجتماعی و سیاسی معاملات ہیں مرکزیت کو کسی صورت میں رد نہیں کیا جا سکتا۔علاوہ ازیں سیاسی حاکمیت کے لیے مالی امور کو ایک اہم رکن کی حیثیت حاصل ہے اور قرآن مجید میں زکات وخمس اور انفال کو پیغمبرؐ کے اختیار میں دینے سے معلوم ہو تا ہے کہ خداوند متعال اپنے نبیؐ کو اسلام کا سیاسی حاکم متعارف کرانا چاہتا ہے،ارشادرب العزت ہے :

" وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوْاْ مَا آتَاهُمُ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّهُ سَيُؤْتِينَا اللّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللّهِ رَاغِبُونَ "(۳۶)

" اور کیا ہی اچھا ہو تا کہ اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ انہیں دیا ہے وہ اس پر راضی ہو جا تے اور کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے عنقریب اللہ اپنے فضل سے ہمیں بہت کچھ

دے گا اور اس کا رسول بھی ،ہم تو اللہ سے لو لگائے بیٹھے ہیں "۔

اس آیت میں زکات کی تقسیم میں پیغمبر اکرمؐ کو کلی اختیار دیا گیا ہے نیز فرمایا :

" يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنفَالِ قُلِ الْأَنفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ "(۳۷)

''(اے رسول) آپؐ سے انفال (مال غنیمت) کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دیجیے یہ انفال اللہ اور رسول کے ہیں)''

اگر چہ انفال کا حکم جنگ بدر کی غنیمت کے بارے میں آیا ہے تاہم یہ حکم ہر قسم کے انفال یعنی اموال زائد کو شامل ہے مثلاً متروک آبادیاں، پہاڑوں کی چوٹیاں ، جنگل ، غیر آباد زمینیں اور لا وارث املاک وغیرہ جو کسی کی ملکیت نہ ہوں اس طرح وہ اموال جو بغیر جنگ کے مسلمانوں کے قبضے میں آئے ہوں جنہیں ''فئی'' کہتے ہیں یہ سب اللہ اور رسولؐ کی ملکیت ہیں یعنی اسلامی حکومت کی جائیداد میں شامل ہیں۔ (۳۸)

مندرجہ بالا امور کی سرپرستی رسول کے سپرد کرنا یا جہاد کے امور کی سرپرستی کا رسولؐ کے ساتھ مختص کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کو سیاسی امور پر بھی حاکمیت حاصل تھی۔

....

حوالہ جات

۱۔ سورۂ جمعہ ،آیت ۲

۲۔ سورۂ حدید،آیت ۲۵

۳۔ سورۂ نحل ،آیت ۳۶

۴۔ مجلّہ حکومت اسلامی۔سال اول ،شمارہ دوم ، ۲۲۴

۵۔ سورۂ کافرون،آیت ۶

۶۔ سورۂ غافر،آیت ۲۶

۷۔ سورۂ انعام،آیت ۱۵۳

۸۔ محمد حسین ،طباطبائی ،المیزان فی تفسیر القرآن ،ج ۴،ص ۱۲۲،ج ۱۴،ص ۱۷۸

۹۔ سورۂ روم،آیت ۳۰

۱۰۔ محمد حسین ،طباطبائی ،المیزان فی تفسیر القرآن،ج۶،ص۱۸۹

۱۱۔ سورۂ شوریٰ،آیت ۱۰

۱۲۔ سورۂ نساء ،آیت ۱۰۵

۱۳۔ سورۂ انفال،آیت ۴۱

۱۴۔ سورۂ توبہ،آیت ۱۰۳

۱۵۔ روح اللہ ،امام خمینی ،حکومت اسلامی ،ص ۷۱۔۷۰

۱۶۔ سورۂ نساء،آیت ۶۴

۱۷۔ سورۂ نساء ،آیت ۸۰

۱۸۔ سورۂ نساء ،آیت ۵۹

۱۹۔ سورۂ انفال،آیت ۲۰

۲۰۔ سورۂ انفال،آیت ،۲۱۔۲۴

۲۱۔ سورۂ نور ،آیت ،۵۶

۲۲۔ سورۂ شعرا ،آیت ،۱۰۷۔۱۰۸

۲۳۔ سورۂ اعراف،آیت ، ۱۴۲

۲۴۔ سورۂ طٰہٰ،آیت ،۹۰

۲۵۔ سورۂ حشر،آیت ، ۷

۲۶۔ سورۂ آلعمران،آیت ،۱۲۸

۲۷۔ سورۂ آلعمران،آیت ، ۱۵۴

۲۸۔ سورۂ قصص،آیت ،۵۶

۲۹۔ سورۂ شوریٰ ،آیت ، ۵۲

۳۰۔ سورۂ مائدہ،آیت ، ۵۶،۵۵

۳۱۔ سورۂ مائدہ، آیت ۵۶،
۳۲۔ طباطبائی، محمد حسین، المیزان، ج۱۶، ص۲۷۶
۳۳۔ سورۂ نور، آیت ۶۲،
۳۴۔ سورۂ نور،، آیت ۶۳
۳۵۔ طباطبائی، محمد حسین، المیزان، ج۱۵، ص۱۶۶
۳۶۔ سورۂ توبہ، ۵۹،
۳۷۔ سورۂ انفال، آیت ۱
۳۸۔ نجفی، محسن علی، بلاغ القرآن، ص۲۳۶

اہل بیت اطہارؑ کی تعلیمات میں اسلامی اتحاد کی ترغیب: علامہ شیخ محمد رضا مظفر رحمۃ اللہ علیہ

اہل بیتؑ ان چیزوں کی بزرگی اور مضبوطی کی شدید خواہش رکھتے تھے جن سے اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اسلام کی عزت، مسلمانوں کے اتحاد، ان میں بھائی چارے کی حفاظت اور مسلمانوں کے دلوں اور ذہنوں سے ہر قسم کی دشمنیاں دور کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

مولی الموحدین، امام المتقین، امیر المومنین حضرت علیؑ کا ان خلفاء کے ساتھ طرز عمل جو ان سے پہلے مسند خلافت پر بیٹھے تھے بھلایا نہیں جاسکتا۔ اگرچہ آپ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے اور ان لوگوں غاصب، تاہم آپ نے ان کے ساتھ (مسلمانوں کے اتحاد کی حفاظت کی خاطر) صلح جوئی اور مصاحبت رکھی بلکہ (ایک مدت تک) آپ نے اپنا یہ عقیدہ بھی عوام کے مجمعوں میں پیش نہیں کیا کہ منصب خلافت پر جس کا تعین کیا گیا ہے وہ صرف وہی ہیں لیکن جب حکومت آپ کے ہاتھ میں آئی تو آپ نے ""میدان رحبہ"" (نوٹ، کوفہ کا وہ مقام جہاں امیر المومنینؑ عموماً اپنے دور خلافت میں خطبہ دیا کرتے تھے) میں رسولؐ کے باقی ماندہ اصحاب سے جنہوں نے غدیر کے دن حضور سرورکائناتؐ کی طرف سے آپ کا تقرر دیکھا تھا گواہی چاہی، آپ نے ان باتوں کا بے جھجک ذکر کیا جن میں مسلمانوں کے فائدے اور بھلائیاں تھیں۔ یہ اسی اتحاد المسلمین کے خیال سے تھا جو آپ نے اپنی حکومت سے پہلے کے زمانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"فَخَشِیتُ اِن لَّم اَنصُرِ الاِسلاَمَ وَ اَهلَهُ اَرٰی فِیهِ ثَلماً وَّهَدماً"

مجھے ڈر تھا کہ اگر میں اسلام اور مسلمانوں کا ساتھ نہیں دوں گا تو اسلام میں تفرقہ اور تباہی پھیل جائے گی۔

یہی وجہ تھی کہ خلافت شروع ہونے کے بعد امامؑ کی جانب سے کوئی ایسی بات دیکھنے میں نہیں آئی کہ ان کی گفتگو یا عمل سے (اسلام کی طاقت کی حفاظت کے خیال سے) خلفاء کی طاقت اور دبدبے کو نقصان پہنچے یا ان کی طاقت گھٹنے یا ان کی شان اور رعب میں بٹا لگنے کا سبب بنتی، خلفاء کی ان کارروائیوں کے باوجود جو آپ دیکھتے تھے اپنے نفس پر قابو رکھتے ہوئے گھر میں بیٹھے رہے یہ تمام احتیاطیں محض اس لیے تھیں کہ اسلام کے فائدے محفوظ رہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے اتحاد اور میل جول کے محل میں کوئی خرابی اور دراڑ پیدا نہ ہو چنانچہ یہ احتیاط لوگوں نے آپ ہی سے سیکھی سمجھی

حضرت عمر ابن خطاب بار بار کہتے تھے: "لاَ کُنتُ لِمُعضَلَةٍ لَيسَ لَهَا اَبُو الحَسَن ۔ یعنی؛ خدا نہ کرے کہ میں ایسی مشکل میں پڑوں کہ جہاں ابوالحسن نہ ہوں۔

یا "لَولاَ عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ" یعنی؛اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا۔

امام حسینؑ کی روش بھی کبھی بھلائی نہیں جاسکتی کہ انہوں نے کس طرح اسلام کی حفاظت کی خاطر معاویہ سے صلح کی، جب آپ نے دیکھا کہ اپنے حق کے دفاع کے لیے جنگ پر اصرار کرنا، قرآن اور عادلانہ حکومت ہی کو نہیں بلکہ اسلام کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹادے گا اور شریعت الہیہ کو بھی نابود کردے گا تو آپ نے اسلام کی ظاہری نشانیوں اور دین کے نام کی حفاظت ہی کو مقدم سمجھا۔

اگرچہ یہ رویہ اس کے برابر ٹھہرا کہ ان ظالموں کے باوجود جن کے بارے میں یہ انتظار تھا کہ آپ پر اور آپ کے شیعوں پر ڈھائے جائیں گے، معاویہ جیسے اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن اور آپ سے اور آپ کے شیعو سے دل میں بغض اور کینہ رکھنے والے دشمن سے صلح کی جائے۔اگرچہ بنی ہاشم اور آپ کے عقیدت مندوں کی تلواریں نیام سے باہر آچکی تھیں اور حق کے بچاؤ اور حصول کے بغیر نیام میں واپس جانے کو تیار نہیں تھیں لیکن امام حسنؑ کی نظر میں اسلام کے اعلیٰ فوائد اور مقاصد کی پاسداری ان تمام معاملات پر فوقیت رکھتی تھی۔

لیکن جب اسلام کے یہی اعلیٰ مقاصد معرض خطر میں پڑگئے تو امام حسینؑ نے اپنے بھائی امام حسنؑ کے طرز عمل سے جداگانہ رویہ اختیار کیا(نوٹ، تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے مکتب اسلام مولفہ علامہ محمد حسین طباطبائی مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی) اور امام حسینؑ باطل کے خلاف ڈٹ گئے، کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ بنی امیہ کی حکومت اس راستے پر چل رہی ہے کہ اگر اسی طرح چلتی رہی اور کوئی اس کی برائیاں کھول کر سامنے نہیں لایا تو حکمران اسلام کی بنیادیں ڈھادیں گے اور اسلام کی عظمت ختم ہوجائے گی، آپ نے چاہا ہے کہ اگر اسی طرح چلتی رہی اور کوئی اس کی برائیاں کھول کر سامنے نہیں لایا تو حکمران اسلام کی بنیادیں ڈھادیں گے اور اسلام کی عظمت ختم ہوجائے گی۔آپ نے چاہا کہ اسلام اور شریعت رسولؐ سے ان کی دشمنی تاریخ میں محفوظ کر دیں اور ان کو ان برائیوں سمیت رسوا کریں چنانچہ امام حسینؑ نے جس طرح چاہا تھا اسی طرح ہوا۔

اگر آپ کھڑے نہ ہوتے تو اسلام اس طرح فنا ہو جاتا کہ صرف تاریخ اسے ایک غلط مذہب کے نام سے یاد کرتی۔

شیعیان اہل بیتؑ جو طرح طرح سے سیدالشہداء امام حسینؑ کی یاد تازہ رکھنے سے شدید دلچسپی رکھتے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ ان کی تحریک کی تبلیغ مکمل کریں جو ظلم وستم کو کچلنے کے لیے وجود میں آئی تھی اور ان کا مقصد (جو عدالت کا قیام تھا) حاصل کریں تاکہ امام حسینؑ کے بعد ائمہ اطہارؑ کی رسم کے مطابق عاشورہ محرم کی یاد تازہ کرنے کے معاملے میں ان کی پیروی اور اتباع کرنے والے بن جائیں، یہی وجہ ہے کہ ""عاشورہ "" ہمارا شعار بن گیا۔(نوٹ، تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیے فلسفہ شہادت مولفہ مرتضیٰ مطہری، مطبوعہ جامعہ تعلیمات اسلامی)

اسلام کی عظمت کو قائم رکھنے سے اہل بیتؑ کی انتہائی دلچسپی (نوٹ عظمت اسلام ان باتوں سے عبارت ہے خدائے واحد کی عبادت اور حکومت ، دین، رہبران دین اور بنی نوع انسان کے حقوق کا پاس، معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی عدالت کا اجراء، انسانوں کے مابین اسلامی اخوت اور مساوات اور فکر و عمل کی آزادی، اسلام یعنی کتاب و سنت کے انہی آفاقی اصولوں کی حفاظت اور بقا کے لیے ائمہ اہل بیتؑ نے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔انہوں نے ایسے افراد کی تربیت کی جو ا سنہرے اصولوں کی پاسداری کر سکیں۔ اگر کوئی شخص یا گروہ ان اصولوں کے حصار کو توڑ کر کسی کا حق غصب کرے، عدل و انصاف کی دھجیاں بکھیرے ، طبقاتی نظام قائم کرے، انسانوں کی آزادی سلب کرے یا فرعونیت کا اظہار کرے تو وہ قرآ کی اصطلاح میں طاغوت ہے اور وہ بندگان خدا جن پر ایسی افتاد نازل کی جائے اور انہیں خدائے منعم کی دی ہوئی نعمتوں سے محروم کردیا جائے وہ مستضعف ہیں۔ شیعیان اہل بیتؑ خدائے عزوجل کے سوا کسی کو سپر پاور تسلیم نہیں کرتے اور اپنے اپنے زمانے کے طاغوتوں سے ٹکر لینے اور کلمہ لا الہ الا اللہ کو بلند کرنے اور مظلوموں کی حمایت کرنے کو اپنا اشعار قرار دیتے ہیں جب وہ کلمہ طیبہ اپنی زبان پر جاری کرتے ہیں، تو وہ انہیں اصولوں پر اپنے ایمان اور ان سے وابستگی کا اظہار کرتے ہیں) اگرچہ ان کے دشمن حالات پر حاوی تھے۔۔امام علی زین العابدینؑ کی زندگی سے ظاہر ہوجاتی ہے۔ اگرچہ آپ سلاطین بنی امیہ کے مد مقابل تھے اور بنی امیہ نے آپ کے رشتہ داروں کا خون بھی بہایا تھا اور آپ کے خاندا ن کی بے ادبی اور توہین کرنے میں حد سے گزر چکے تھےاور آپ کربلا کے دل ہلادینے والے حادثے کے باعث جس میں بنی امیہ نے آپ کے پدر بزرگوار اور ان کے حرم پر بے حد و حساب ظلم توڑے تھے سخت دلگیر اور غمگین تھے پھر بھی آپ تنہائی میں مسلمانوں کی فوج کے لیے دعا کیا کرتے تھے اور خدا سے ان کی فتح ، اسلام کی عزت اور مسلمانوں کی امنیت اور سلامتی چاہتے تھے۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے امام زین العابدینؑ کا واحد ہتھیار آپ کی دعا تھی آپ نے اپنے عقیدت مندوں کو یہ سکھایا کہ اسلامی فوج اور مسلمانوں کے لیے کس طرح دعا کریں۔

امام زین العابدینؑ اس دعا میں جو ""دعائے اہل ثغور"" کے نام سے مشہور ہے یوں فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ وَ حَصِّن ثُغُورَ المُسلِمِينَ بِعِزَّتِكَ وَ اَيِّد حُمَاتِهَا بِقُوَّتِكَ وَ اَسبِغ عَطَايَاهُم مِن جِدَتِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ وَ كَثِّر عَدَّتَهُم وَاشحَذ اَسلِحَتَهُم وَاحرُس حَوزَتَهُم وَامنَع حَومَتَهُم وَ اَلِّف جَمعَهُم وَدَبِّر اَمرَهُم وَ وَاتِر بَينَ مِيَرِهِم وَتَوَحَّد بِكِفَايَةِ مُؤَنِهِم وَاعضُدهُم بِالنَّصرِ وَاَعِنهُم بِالصَّبرِ وَالطُف لَهُم فِي المَكرِ -

اے خدا محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود بھیج، مسلمانوں کی جماعت بڑھا، ان کے ہتھیار تیز کر، ان کے علاقے کی حفاظت کر، ان کی صف کی قابل توجہ حد مضبوط بنا، ان کی جماعت میں یک جہتی برقرار رکھ، ان کے کام پورے کر، ان کو روزی ان کے پیچھے پیچھے (ساتھ ساتھ ۹ پہنچا، ان کے اخراجات پورے کر، ان کو اپنی مدد سے طاقتور بنا صبر اور ثابت قدمی سے ان کی امداد

کر اور ان کو اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اپنا راستا پالینے کی خفیہ حکمت عملی عطا فرما۔ (صحیفہ ، ستائیسویں دعا)

پھر کافروں پر لعنت بھیجنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اَللّٰھُمَّ وَقَوِّ بِذٰلِكَ مِحَالَ اَھلِ الاَسلاَمِ وَحَصِّن بِهِ دِيَارَھُم وَثَمِّر بِهِ اَموَالَھُم وَفَرِّغھُم عَن مُحَارَبَتِہِم لِعِبَادَتِكَ وَعَن مُنَابَذَتِہِم لِلخَلوَةِ بِكَ حَتّٰى لاَ يُعبَدَ فِي بِقَاعِ الاَرضِ غَيرُكَ وَلاَ تُعَفَّرَ لاَحَدٍ مِّنھُم جَبهَةٌ دُونَكَ"۔

اے خدا! اس دور اندیش وسیلے سے مسلمانوں (یا ان کے مقامات) کو طاقت عطا کر، ان کے شہر مستحکم اور ان کی دولت زیادہ کر، ان کو اپنی بندگی اور عبادت کے لیے اور اپنے ساتھ تنہائی اختیار کرنے کے لیے دشمنوں کی جنگ اور رگڑے جھگڑے سے فرصت اور سکون عطا فرماتا کہ روئے زمین پر تیرے سوا دوسرے کی عبادت نہ ہو اور تیرے سوا ان کی پیشانی کسی کے آگے نہ جھکے۔

یہ دعا واقعی کتنی اچھی اور جامع ہے، اس دور میں مسلمانوں کو چاہیے کہ یہ دعا دن رات پڑھا کریں اور اس کے معانی سے سبق لیں اور خدا سے چاہیں کہ وہ انہیں میل جول ، اتحاد، صفوں کا گٹھاؤ اور عقل کی روشنی عطا فرمائے۔

امام زین العابدینؑ اس بلیغ اور پر تاثیر دعا میں (جو ان دعاؤں میں سب سے لمبی ہے) لشکر اسلام کو اس کام کے لیے جو اس کے شایان شان ہے اس طرح آمادہ کرتے ہیں کہ وہ عسکری اور اخلاقی خوبیوں کے مالک بنیں اور دشمنوں کی صفوں کے مقابلے میں پوری طرح مل کر کھڑے ہوجائیں۔

آپ اس دعا کے پردے میں اسلامی جہاد کی فوجی تعلیم، نتیجہ ، مقصد اور اس کے فائدے بیان کرتے ہیں اور دشمن سے تصادم اور جھڑپوں میں جنگی حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہیں، اور ساتھ ساتھ یہ بھی آجاتا ہے کہ لڑائی کے بیچ میں خدا کی محبت، اس پر بھروسا ، گناہوں سے پرہیز اور خدا کی خاطر جہاد کرنا دھیان سے نہ اترے۔

اپنے زمانے کے حاکموں کے مقابلے میں باقی اماموں کا بھی یہی رویہ رہا۔ یہ بزرگ اگرچہ دشمنوں کی قسم قسم کی دھمکیوں اور دھوکے بازیوں، سنگدلیوں اور بے باکیوں کا مقابلہ کرتے رہے لیکن جب انہوں نے سمجھ لیا کہ حق حکومت ان کی طرف نہیں پلٹے گا تو بھی وہ اپنے اصل مقصد سے نہیں ہٹے اور لوگوں کی دینی اور اخلاقی تعلیم اور اپنے پیروکاروں کو مذہب کی بلند مرتبہ تعلیمات کی طرف متوجہ اور راغب کرنے میں مصروف رہے۔

یہ ہے اہل بیت رسولؐ اور ان کے پیروکاروں کا طریقہ لیکن کتنا بڑا جرم ہے آج کل کے مصنفین کا جو چند ڈالروں اور ریالوں کی خاطر شیعوں کو ایک خفیہ، تخریب کار اور بنیاد اکھیڑ دینے والی جماعت کا نام دیتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہر وہ مسلمان جو اہل بیتؑ کے تعلیمی مکتب کا ماننے والا ہے وہ ظلم اور ظالموں کا دشمن ہوتا ہے ، ظالموں اور بدکاروں سے تعلق نہیں رکھتا اور ان لوگوں کو جو ظالموں کی مدد کرتے ہیں نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے چنانچہ یہ نیک عادت اور صحیح دستور ایک نسل سے دوسری نسل تک چلتا رہتا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم شیعوں کو بہانہ ، دھوکا اور مکر وغیرہ کے عنوان سے پہچانیں۔

شیعہ مسلمان دوسرے مسلمانوں کو دھوکا دینا اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے۔ یہ وہ طریقہ ہے جو انہوں نے اپنے اماموں سے

ً

لیا ہے شیعوں کے عقیدے کی رو سے ہر اس مسلمان کا مال ، جان اور عزت محفوظ ہے جو خدا کی وحدانیت اور پیغمبر اسلامؐ کی رسالت کی گواہی دیتا ہے یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے کسی مسلمان کی اجازت کے بغیر اس کا مال کھانا جائز نہیں ہے کیونکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھاءی ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنے بھائی کے ان حقوق کا خیال رکھے ج کی طرف ہم آگے کی بحث میں اشارہ کریں گے۔

(اقتباس از: مکتب تشیع، باب ۵)

سیرت مرسل اعظمؐ نہج البلاغہ کے آئینہ میں

سید تاجدار حسین زیدی

مقدمہ:

جب انسان معیار انسانیت سے گرا اور اس حد تک گرا کہ اس نے اپنے فطری پدری و مادری شفقت و محبت کے جذبہ کو پس پشت ڈال کر اپنی ہی بیٹیوں کو زندہ در گور کرنا شروع کر دیا، تاکہ کسی کو اپنا داماد نہ بنانا پڑے، یا جائداد میں کوئی نیا حصہ دار نہ بن جائے۔ حد تو اس وقت ہو گئی کہ جب کسی کے یہاں ولادت کا وقت قریب آتا تھا تو عورت ایک گڑھا کھود کر بیٹھ جایا کرتی تھی اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اس کو اسی گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دیا کرتی تھی اور اگر لڑکے کی ولادت ہوتی تھی تو اس کو محفوظ کر لیا کرتی تھی۔

عرب کے لوگوں کو جب کبھی لڑکی کی ولادت کی خبر دی جاتی تو ان کا چہرہ شب تاریک کی مانند سیاہ ہو جاتا اور وہ ''ظل وجھہ مسوداً'' کا مصداق بن جایا کرتا تھا۔

جہالت اس منزل پر تھی کہ قتل و غارتگری، چوری، دوسروں کا مال غصب کرنا، زنا کرنا، امانت میں خیانت ... وغیرہ باعث فخر سمجھا جانے

لگا تھا۔ ہر وقت شراب و شباب میں مست رہتے تھے، قرابتداروں سے قطع تعلق ان کا شیوہ بن چکا تھا، اصنام ان کے درمیان نسب تھے، ایک ایک اونٹ کے لئے چالیس چالیس سال تک لڑا کرتے تھے۔

اس دور جاہلیت اور پر آشوب ماحول میں خداوند عالم نے اپنے حبیب خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مبعوث کیا۔ جب لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور فتنوں میں ہاتھ پائوں مار رہے تھے، خواہشات نے ان بہکار رکھا تھا، غرور نے ان کے قدموں میں لغزش پیدا کر دی تھی، جاہلیت نے ان کو سبک سر بنا دیا تھا و غیر یقینی حالات اور جہالت کی گمراہیوں میں سر گرداں تھے۔

اور جب آپ ایسے پر آشوب ماحول میں مبعوث ہوئے تو آپ نے بھی نصیحت اور موعظہ کا حق ادا کر دیا اور لوگوں کو راہ راست پر لانے میں کسی بھی طرح کی کوتاہی نہیں کی اس کام میں جب کبھی کسی نے آپ پر کوڑا پھینکا تو آپ اس کی عیادت کو پہونچ گئے، راہوں میں کانٹے بچھائے گئے لیکن منہ سے اف تک نہ نکلا، ساحر و مجنون کہا گیا لیکن کبھی کسی کو پلٹ کر جواب تک نہ دیا۔ آپ کو اس قدر مصیبت و آلام کا سامنا کرنا پڑا کہ آپ کو کہنا پڑا ''دین کے سلسلہ میں جتنی اذیت مجھے دی گئی کسی اور نبی کو نہیں دی گئی۔''

جب رحمۃ للعالمینؐ نے تبلیغ کرنا شروع کی تو یہ ان کی تبلیغ کا ہی اثر تھا کہ کل تک جو جاہل ترین معاشرہ تھا اور جس کو بدترین معاشرہ تصور کیا جاتا تھا آج اس منزل عروج پر پہونچ چکا تھا کہ ساری دنیا کے لوگ اسلامی تعلیمات کو حاصل کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع کرنے

لگے تھے ، اور کل تک جو افراد بد ترین کردار کے مالک تھے آج وہ دوسروں کو تہذیب نفس کا درس دے رہے تھے اوران کو مہذب ترین معاشرہ سمجھا جانے لگا تھا۔

انسان اس رحمۃ للعالمین (ص) کے کردار کی بلندی اور عظمت کی رفعت کا اندازہ لگانے سے قاصر ہے اور زبانیں بیان کرنے سے معذور ، اگر اس کا صحیح ادراک کرنا ہے تو اس کے در پر آنا پڑے گا جو یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے ''میں رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے پیچھے اس طرح سے چلتا تھا جس طرح سے اونٹنی کا بچہ اونٹنی کے پیچھے پیچھے چلتا ہے ''اور اپنے بچپنے سے لیکر آخر وقت تک رسول کے ہمراہ رہا ''رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)اس وقت دینا سے رخصت ہوئے ہیں جب ان کا سر میرے سینہ پر تھا اور ان کی روح اقدس میرے ہاتھوں پر جدا ہوتی ہے تو میں نے اپنے ہاتھوں کو چہرہ پر مل لیا۔ میں نے ہی آپ کو غسل دیا جب ملائکہ میری مدد کر رہے تھے اور گھر کے اندر و باہر کہرام برپا تھا۔ ملائکہ کا ایک گروہ نازل ہو رہا تھا اور ایک واپس جا رہا تھا سب نماز جنازہ پڑھ رہے تھے اور میں مسلسل ان کی آوازیں سن رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے ہی حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو سپرد لحد کیا'' (۱)

اور ہم کو اسی شخصیت کی اس عظیم الشان اور بے نظیر کتاب کا سہارا لینا ہوگا جس کے بارے میں مشہور ہے :

''تحت کلام الخالق فوق کلام المخلوق''

نہج البلاغہ وہ مقدس کتاب ہے جس کے مطالب ربانی کا عطیہ ہیں تو اس کے الفاظ لسان اللہ کے تکلم کا اثر۔ یہ وہ الہامی کتاب ہے جس کے حقائق و معارف بہ بانگ دہل آواز دے رہے ہیں کہ جس کا متکلم علم لدنی کا مالک اور علمہ البیان کا مصداق ہے۔ ہم اسی کتاب سے سیرہ رسول کے کچھ گوشے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

رسول اکرم کا زہد

''قد حقر الدنیا و صغرھا'' (۲)

''آپ نے اس دینا کو ہمیشہ صغیر و حقیر اور ذلیل و پست تصور کیا ہے اور سمجھا ہے کہ پروردگار نے اس دنیا کو آپ سے الگ رکھا ہے اور دوسروں کے لئے فرش کر دیا ہے تو یہ آپ کی عزت اور دنیا کی حقارت ہی کی بنیاد پر ہے لہٰذا آپ نے اس سے دل سے کنارہ کشی اختیار کی اوراس کی یاد کو دل سے بالکل نکال دیا اور یہ چاہا کہ اس کی زینتیں نگاہوں سے اوجھل رہیں تاکہ نہ عمدہ لباس زیب تن فرمائیں اور نہ کسی خاص مقام کی امید کریں''

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بھی یہی زہد تھا کہ جب بعثت کی شروعات ہی میں بزرگان قریش اور سران عرب نے جناب ابوطالب سے کہا کہ اپنے بھتیجے کو ہمارے خداؤں کی توہین کرنے سے روکو ! اگر وہ کسی لڑکی شادی کرنا چاہتاہے تو عرب کی سب سے خوبصورت لڑکی سے اس کی شادی کر دی جائے گی ، اگر وہ مال دنیا چاہتے ہیں تو ہم ان کو اتنی دولت دیں گے کہ پورے عرب میں کوئی ان سے زیادہ ثروتمند نہ رہ جائےگا اور اگر بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم ان کو اپنا امیر تسلیم کر لیں گے ، صرف وہ تبلیغ اسلام سے اپنا ہاتھ کھینچ لیں۔ تو پیغمبر اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہی کہا تھا کہ اے چچا جان ان سے کہہ دیجئے : ''اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا۔''

یعنی رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تمہاری اس دولت کی میری نظر میں اوقات ہی کیا ہے اگر تم پوری کائنات میرے حوالے کردو (جو کہ تمہارے بس میں نہیں ہے) تو اس کی بھی میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔

زہد رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سلسلہ میں عاصم بن حمید الحناط کی کتاب میں جناب ابو بصیر امام محمد باقر -سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں: ایک فرشتہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے محمد! آپکا پروردگار آپ پر سلام بھیج رہا ہے اور فرماتا ہے: اگر تم چاہو تو مکہ کی پوری زمین کو ہم سونے سے بھر دیں؟ تو آپ نے اپنے سر کو آسمان کی جانب بلند کیا اور فرمایا: پروردگارا! میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ میں ایک روز غذا سے سیر ہوں اور تیرا شکر ادا کروں اور دوسرے دن پھر تیری بارگاہ میں ہاتھ پھیلاؤں (۳)

رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زہد کو بیان کرتے ہوئے مولائے کائنات-ایک دوسرے خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

انھوں نے دنیا سے صرف غذا حاصل کی اور اسے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں ساری دنیا میں سب سے زیادہ خالی شکم اور شکم تہی میں زندگی بسر کرنے والے وہی تھے ان کے سامنے دینا پیش کی گئی تو اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ دیکھ لیا کہ پروردگار اسے پسند نہیں کرتا ہے تو خود بھی ناپسند کیا اور خدا حقیر سمجھتا ہے تو خود بھی حقیر سمجھا اور اس نے چھوٹا بنا دیا ہے تو خود بھی چھوٹا ہی قرار دیا۔ اور اگر ہم میں اس کے علاوہ کوئی عیب نہ ہوتا کہ ہم خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مبغوض کو محبوب سمجھنے لگے ہیں اور خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نگاہ میں صغیر و حقیر کو عظیم لگے ہیں تو یہی عیب خدا کی مخالفت اور اس کے حکم سے انحراف کے لئے کافی تھا۔

پیغمبر اکرمؐ ہمیشہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے، غلاموں کے انداز میں بیٹھتے تھے، اپنے ہاتھ سے اپنی جوتیاں ٹانکتے تھے اور اپنے دست مبارک سے اپنے کپڑوں کو پیوند لگاتے تھے، بغیر چار جامہ کی سواری پر سوار ہوتے تھے اور کسی نہ کسی کو ساتھ بٹھا بھی لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے گھر کے دروازہ پر ایسا پردہ دیکھا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں تو ایک زوجہ سے فرمایا کہ خبردار اسے ہٹاؤ، میں اس کی طرف دیکھوں گا تو دنیا اور اس کی آرائش یاد آئے گی۔ آپ نے دنیا سے دل کی گہرائیوں سے کنارہ کشی فرمائی اور اس کی یاد کو دل سے محو کر دیا اور یہ چاہا کہ اس کی زینت نگاہوں سے دور رہے تاکہ نہ بہترین لباس بنائیں اور نہ اسے اپنے دل میں جگہ دیں اور نہ اس دنیا میں کسی مقام کی آرزو کریں۔ آپ نے دنیا کو نفس سے نکال دیا اور دل سے دور کر دیا اور نگاہوں سے بھی غائب کر دیا'' (۴)

دیلمی نے روائت کی ہے کہ: پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خود لباس میں پیوند لگاتے تھے، خود جوتیوں کو سلتے اور گوسفند کا دودھ دھتے تھے غلاموں کے ساتھ کھانا کھاتے اور زمین پر بیٹھتے تھے بازار سے آزوقہ خریدنے میں کبھی شرم محسوس نہیں کی (۵)

یقینا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زندگی میں وہ ساری باتیں پائی جاتی ہیں جو دنیا کے عیوب اور اس کی خرابیوں کی نشاندہی کر سکتی ہیں کہ آپ نے اپنے گھر والوں سمیت بھوکا رہنا گوارا کر لیا اور خدا کی بارگاہ میں انتہائی تقرب کے باوجود دنیا کی زینتوں اور لذتوں کو اپنے آپ سے الگ رکھا ہے۔

اب ہر انسان کو نگاہ بصیرت سے دیکھنا چاہئیے اور یہ سوچنا چاہئیے کہ اس صورت حال اور اس طرح کی زندگی دے کر پروردگار نے اپنے اپنے محبوب پیغمبر کو عزت عطا کی ہے یا ان کو (معاذ اللہ) ذلیل کیا ہے۔اگر وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے (اور کرے گا بھی) کہ اللہ نے انھیں عزت بخشی ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئیے کہ اگر اللہ نے ان کے لئے دنیا کو فرش بنا دیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے دنیا کو ذلیل بنا دیا ہے اور اسی لئے اپنے قریب ترین بندہ سے اسے دور رکھا ہے۔

۲۔رسول اکرمؐ کی سادگی:

امام علی -نہج البلاغہ میں ایک ایسا جملہ پیش کرتے ہیں جو آپ کی سیرت کو بیان کرنے والااور بہت ہی تعجب انگیز ہے۔آپ موسی- اور ہارون -کے قصہ کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جب یہ لوگ جب یہ لوگ مبعوث بہ رسالت ہوئے تو چرواہوں کا لباس پہنے ہوئے فرعون کے دربار میں حاضر ہوئے ''و علیھما مدارع الصوف'' دونوں پشمینہ کا لباس پہنے ہوئے تھے جو کہ اس زمانے کا معمولی ترین لباس تھا، ''و بایدھما العصی''اور دونوں کے ہاتھ میں ایک عصا تھا، اور یہی ان کا کل سرمایہ تھا۔

فرعون کا وہ جلال اور شوکت، اور ایسی حالت میں دو شخص پشمینہ کا لباس پہنے ہوئے، ہاتھوں میں ایک عصا لئے ہوئے، پورے یقین اور الوہی قدرت کے ساتھ اس سے مخاطب ہوتے ہیں کہ :ہم رسول ہیں اور اسی رسالت کی تبلیغ کے لئے یہاں آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ :اگر تو اپنی فرعونیت سے باز آجائے اور اور واقعاً اسلام کو قبول کرلے تو ہم تیری حکومت کی ضمانت لیتے ہیں۔

فرعون ادھر ادھر دیکھتا ہے اور کہتا ہے : ''الا ترون ھذین؟''ان دونوں کو دیکھ رہے ہو؟ کہ اس پھٹے پرانے لباس اور دو لکڑی (عصا) لے کر آئے ہیں ! یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کامیاب ہیں، اور مجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ اگر میں عزیز رہنا چاہتا ہوں، اور ذلیل نہیں ہونا چاہتا ہوں تو اسلام لے آئوں، یہ کتنی مزحقہ خیز بات ہے!۔

اس کے مقابل میں فرعون کی کیا دلیل ہے؟ وہ کہتا ہے:

"فھلا القی علیھا اساور من ذھب " اگر وا قعاًان کا مستقبل اتنا تابناک ہے، تو یہ کیا حالت بنا رکھی ہے ؟ ان کے سونے چاندی کہاں ہیں ؟ان کی صفوف اور تشکیلات کہاں ہیں ؟

امام علی - فرماتے ہیں :"اعظاما للذھب و جمعه واحتقارا للصوف و لبسه" اس کی نگاہ میں سونا چاندی پڑے ہوگئے اور معمولی لباس چھوٹا ہوگیا۔

وہ یہ سوچتاہے کہ اگر یہ سچ کہہ رہے ہیں، اور خدائی نمائندہ ہیں، تو وہ خدا ان کو انہیں اس کے دس برابر سونا چاندی اور رعب و دبدبہ دے سکتاہے۔ تو اس نے ایسا کیوں نہیں کیا، اور ان کو کچھ نہیں دیا؟

پھر آپ اس کی وجہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کیوں خدا پیغمبروں کو اس طرح مبعوث کرتا ہے اور ان کو دنیاوی دولت، سونا چاندی، وغیرہ نہیں دیتا ہے۔آپ فرماتے ہیں: اگر خدا ان کو یہ سب دے دے تو اختیار ختم ہو جائے گا ،اور اگر جبراً ہی مومن بنانا ہوتا تو سارے لوگ ایمان لے آئے ہوتے، لیکن تب وہ ایمان، ایمان نہ رہ جاتا، ورنہ اگر ایسا کرنا ہوتا تو خود امیر المومنین -کی تعبیر ہے کہ اگر خدا چاہتا تو حیوانوں کی ان کا تابع اور پرندوں کو انکا مطیع بنا دیتا (جیسا کہ جناب سلیمان -کے سلسلہ میں کیا)، اور جب یہ لوگ فرعون کے

دربار میں آتے تو پرندے ان کے سروں پر منڈلا رہے ہوتے ، اور جانور بھی ان کی تعظیم کرتے، تاکہ کسی بھی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہ جاتی، اور اختیار ختم ہو جاتا۔

آپ فرماتے ہیں لیکن اس صورت میں ''لا لزمت الاسماء معانیھا'' ایمان ایمان نہ رہ جاتا کیونکہ ایمان وہ ہے جو اختیار کے ساتھ لایا جائے نہ کہ جبر سے معجزہ اور کرامت صرف اس پر ایک دلیل ہیں ، اور جب تک یہ دلیل کے عنوان سے ہوتی ہیں ، تب قرآن انھیں ، نشانی، معجزہ کہتا ہے، لیکن جب دلیل کی حد سے خارج ہو جائیں تو یہی قرآن کہتا ہو نظر آتا ہے کہ پیغمبر معجزہ کا کارخانہ نہیں لایا ہے ، وہ صرف اس لئے آیا ہے کہ اپنے ایمان کو لوگوں کے سامنے پیش کرے ،اور اس کی رسالت و نبوت کی سچائی کے گواہ کے طور پر خداوند عالم نے انہیں معجزہ عطا کیا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ وہ ایک معجزہ یہاں ، ایک معجزہ وہاں دکھاتے پھریں کوئی کہے یہ معجزہ دکھاؤ، کوئی کہے کہ وہ دکھاؤ......امام علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ایسا ہو جاتا تو ایمان ایمان نہ رہ جاتا۔

امام کا دوسرا جملہ جو کہ ہمارا شاہد مثال بھی ہے اس میں آپ فرماتے ہیں: خدا نے پیغمبروں کو اس طرح کی تشکیلات ، دبدبہ اور طنطنہ عطا نہیں کیا ہے ،اور ایسی طاقت جو کہ لوگوں کے ذہن کو باندھ دے عنایت نہیں کی ہے ، اور پیغمبر بھی اس روش سے استفادہ نہیں کرتے ہیں۔بلکہ ''و لکن اللہ سبحانہ جعل رسلہ اولی قوۃ فی عزائمھم '' خدا نے پیغمبروں کی ہمت ، ان کے ارادہ ، اور عزم میں طاقت عطا کی ہے اور ایسی طاقت دی ہے کہ پشمینہ کا لباس پہن کر اور ہاتھ میں عصا لے کر فرعون زمانہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس طرح کلام کرتے ہیں:

'' و غعفۃ فیما تری الاعین من حالاتھم ''

پھر آپ فرماتے ہیں :''مع قناعۃ تملا القلوب و العیون غنی، و خصاصۃ تملا الابصار و الاسماع اذی '' (٦) خداوند عالم نے ان کے ضمیر میں عزم و ارادہ کی عظیم قوت عطا کی ہے اور ان کو قناعت عطا کی ہے جس کے بارے میں امام علی-فرماتے ہیں کہ پیغمبر بھی اپنی آنکھو کو پر کرتے ہیں اور لیکن اس طرح سے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے لیکن ہم پھر بھی بے نیاز ہیں ، اور نہایت ہی سادگی سے اپنی زندگی گذارتے ہیں۔(٧)

اور یہی سادگی ہم کو پیغمبر اسلام-کی زندگی میں دیکھنے کو ملتی ہے کہ آپ کے پاس کچھ نہیں ہے پھر بھی بے نیاز ہیں ، اور جب کفار مکہ آپ کو اسلام کے مقابل میں مال و دولت کی لالچ دیتے ہیں تب بھی آپ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر چاند اور دوسرے پر سورج رکھ دیا جائے تب بھی میں تبلیغ اسلام سے باز نہیں آؤں گا۔

٢۔امانت رسول اکرم ؐ

امین وحیہ (٨) امینہ الرضی (٩)

امیر المومنین علیہ السلام نے حضرت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو امین کے لقب سے یاد فرمایا ہے اور ہم کو بتایا ہے کہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت میں سے ایک ان کا امین ہونا بھی ہے۔ امانت کی مختلف قسموں میں سے سب سے بڑی قسم وحی الٰہی کا امین ہونا ہے اور خداوند عالم نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنی وحی کا امیں بنا کر اس دنیا میں مبعوث کیا ہے۔ ایک امین کے لئے ضروری ہے کہ وہ امانت میں

کسی طرح کا تصرف نہ کرے اور وہ جس طرح سے ہے اسی صورت میں اسے پہونچا دے ، اور رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وحی الٰہی کے امین ہونے کی ذمہ داری سنبھالی تو اس کو پوری طرح سے بغیر کسی کمی و زیادتی کے بنحو احسن پہنچا دیا ، اور اس ذمہ داری میں اس حد تک ایمانداری کا مظاہرہ کیا کہ خداوند عالم نے ان کو امین وحی الٰہی کا تمغہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

"و ماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" (۱۰) میرا حبیب تو اپنی خواہشات سے کچھ بولتا بھی نہیں ہے وہ وحی کہتا ہے جو وحی کہتی ہے ۔

قرآن مجید کو ''زمین وآسمان کے درمیان کی رسی'' کہا گیا ہے (قال النبی (ص) کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض) (۱۱)

شاید یہ اس لئے ہے کہ قرآن علم قدس اور ارواح کے درمیان معنوی واسطہ ہے اور اسی وجہ سے معصومین کے کلمات کو ''حبل ممدود'' کہا جاتا ہے ۔ وہ اس لئے کہ وہ جو بھی فرماتے ہیں وہ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علم لدنی سے حاصل کیا ہوا ہوتا ہے اور خود رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کلام صراحتاً علم ربانی اور الٰہی ہوتا ہے اور قیاس ، تصرفات اور خرافات وغیرہ سے پاک ہوتا ہے کیونکہ :''وماینطق عن ...'' (۱۲)

اس آیت اور امیر المومنین ـکے کلام سے رسول اسلام کے امین ہونے کا پتہ چلتاہے ، رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امانت کا یہ عالم تھازمان جاہلیت میں ہی کہ جب آپ نے اعلان رسالت بھی نہیں کیا تھا تب ہی اہل عرب آپ کو ''امین'' کہنے لگے تھے ۔

جہاں آپ کی ذات مقدسہ میں مختلف صفات حسنہ پائی جاتی تھیں انہیں میں سے ایک آپ کی زندگی میں صداقت وامانت کا ہونا بھی ہے ، کبھی بھی خلوت ، جلوت ، امور مال اور غیر مالی مردوں یا عورتوں کے ساتھ معاشرت میں ، آپ کے اندر تھوڑا سا بھی اخلاقی انحراف یا خیانت دیکھنے کو نہیں ملی ۔

یہاں تک کہ ابھی آپ جوان ہی تھے کہ ''محمد امین'' کے لقب سے معروف ہو گئے تھے اور مکہ کے لوگ آپ کو امین کے لقب سے یاد کرنے لگے تھے اور جہاں بھی آپ کو دیکھتے کہتے تھے ''امین'' آ رہا ہے (۱۳)

آپ کی امانت اس درجہ پر تھی کہ آپ کے شدید دشمن اور کفار بھی اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھوا کی مطمئن ہو جایا کرتے تھے ، اور آپ نے کبھی بھی کسی کی امانت میں ذرہ برابر بھی خیانت نہ کی ، یہاں تک کہ جب مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ جانے لگے تب بھی تمام امانتیں حضرت علی ـکے سپرد فرمایا اور کہا کہ ان کو ان کے مالکوں تک پہونچا دینا ۔

۳ ـ رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رحمت للعالمین

و بشیر رحمتہ (۱۴)

خداوند عالم نے ان کو اپنی رحمت کی بشارت دینے والا بنا کر بھیجا ہے ، جس طرح سے خداند عالم بندوں پر اپنی رحمت کا سایہ کئے ہوئے ہے ، یہ نیلا آسمان ، یہ وسیع زمین ، بلند پہاڑ ، یہ بہتے دریا ، درخت ، درختوں پر چہچہاتی ہوئی چڑیاں ، یہ شکوفے اور ان پر منڈلاتی ہوئی تتلیاں ، غرض کہ اس دنیا کا چپا چپا اور اس کی ہر شئی اس کی

رحمت واسعہ کی نشانی ہے ،اور ان سب میں سب سے بڑا نمونہ حضرت رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات گرامی ہے ،۔

خداوند عالم اتنا رحیم و کریم ہے کہ جب بندے گناہ کرنے کے بعد اس کی رحمت سے مایوس ہو گئے تو فرمایا:

''اے رسول ان لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے وہ رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہوں خداوند تمام گناہوں کو بخشنے والا ہے'' اور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اسی رحمت کا نمونہ ہیں یہی وجہ ہے کہ جب آپ کسی سوکھے درخت کے نیچے سے گذر جاتے تھے تو وہ ہرا بھرا ہو جاتا تھا، کسی کنویں میں لعاب دہن ڈال دیتے تو وہ پانی سے بھر جاتا۔

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اسی رحمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولائے کائنات -ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

:''پروردگار نے ان کی طرف ایک رسول بھیج دیا جس نے اپنے نظام سے ان کی اطاعت کو پابند بنایا اور اپنی دعوت پر ان کی الفتوں کو متحد کیا اور اس کے نتیجہ میں نعمتوں نے ان پر کرامت کے بال وپر پھیلا دئے اور راحتوں کے دریا بہا دئے شریعت نے انھیں اپنی برکتوں کے بیش قیمت فوائد میں لپیٹ لیا۔ وہ نعمتوں میں غرق ہو گئے اور زندگی کی شادابیوں میں مزے اڑانے لگے۔ایک مضبوط حاکم حاکم کے زیر سایہ سازگار ہو گئے اور حالات نے غلبہ اور بزرگی کے پہلو میں جگہ دلوادی اور ایک مستحکم ملک کی بلندیوں پر دنیا و دین کی سعادتیں ان کی طرف جھک گیئں....'' (۱۵)

آپ کے رحمت للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہونے کا ایک نمونہ کو بچپنے میں ہی دیکھنے کو ملتا ہے، جب آپ کے صرف منہ لگانے سے دائی کے پستان سے شیر جاری ہو گیا۔اور دوسرا نمونہ اس وقت دیکھنے کو ملا جب آپ کی عمر صرف بارہ سال تھی اور آپ پہلی بار جناب ابو طالب -کے ہمراہ تجارتی قافلہ کے ساتھ چلے ابھی قافلہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اہل قافلہ نے محسوس کیا یہ سفر پہلے کے سفروں کی بہ نسبت زیادہ آرام وہ ہے۔ پہلے کے سفروں میں سورج کی جو گرمی بھی وہ اس بار نہیں ہے اور پہلے جو گرمی پریشان کرتی تھی وہ اس بار نہیں ہے۔ سبھی اس بات سے بہت تعجب میں تھے حتی کہ ان میں سے ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ :''یہ سفر کتنا مبارک ہے۔''

دھیرے دھیرے سب متوجہ ہوئے کہ دن میں جب آپ سفر کرتے ہیں تو بادل کا ایک ٹکڑا مسلسل ان کے سر پر سایہ فگن رہتا ہے اور ان کو سورج کی دھوپ اور گرمی سے بچاتا ہے۔ لیکن شاید بہت کم لوگ یہ جانتے ہوں کہ ان پر یہ رحمت خداوندی اس بارہ سال کے بچے کی وجہ سے ہے جو اس کاروان کے ساتھ سفر کر رہا ہے۔(۱۶)

اور صحیح بھی ہے کہ جس قافلہ کا ہمسفر رحمت للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو بھلا سورج کی گرمی اس کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔

۴۔رسول اکرمؐ اور بھائی چارہ

الف بہ اخواناً(۱۷)

امیر المومنین علیہ السلام رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مقر اور مستقر کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''نیک کرداروں کے دل آپ کی طرف جھکا دئے گئے اور نگاہوں کے رخ آپ کی طرف موڑ دئے گئے، اللہ نے آپ کے ذریعہ کینوں

کو دفن کر دیا ہے اور عداوتوں کے شعلہ بجھا دئے ہیں ، لوگوں کو بھائی بھائی بنادیا ہے، اور کفر کی برادری کو منتشر کر دیا ہے.....''

تاریخ گواہ ہے کہ عرب اپنی کینہ توزی اور فتنہ پروری کے لئے مشہور رہے ہیں اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وجود اقدس کے ذریعہ جو بہت سے انقلابات آئے ہیں ان میں سے ایک ان کینوں کو ختم کر بھی ہے جو عرب کی رگ رگ میں بس چکا تھا اور ان کے جسم میں خون کی طرح دوڑ رہا تھا۔

جیسا کہ تاریخ میں ہے کہ آپ کی مدینہ ہجرت سے پہلے وہاں کے دو قبیلہ ''اوس''و''خزرج''ایک دوسرے کے دیرینہ دشمن تھے اور وہ ایک دوسرے کی جان کے درپے رہا کرتے تھے ، ان کے درمیان قتل و غارتگری ، کشت و کشتار کا بازار گرم رہا کرتا تھا۔ چھوٹی سی بات پر ایک دوسرے سے لڑ جایا کرتے تھے۔

ان دو قبیلوں کے ساتھ ہی وہاں بعض یہودی طوائف مثلاً ''بنی قینقاع''''بنی نضیر''''بنی قریظہ''''بنی ثعلبہ'' رہتے تھے ،اور انہوں نے مدینہ اور اس کے اطراف کی زمینوں کو خرید کر وہاں کے اقتصادیات کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا اور اپنے مفاد کے لئے ان دو قبیلوں کو آپس میں لڑواتے رہتے تھے۔

جیسا کہ آج کے یہودیوں کا بھی یہی طرہ امتیاز رہا ہے کہ وہ عالمی اقتصاد پر حاوی ہیں اور انہوں نے پوری دنیا کے اقتصاد پر قبضہ کر رکھا ہے دنیا کی ہر بڑی اقتصادی طاقت انہیں کے قبضہ میں ہے ، انھیں کی انگلیوں پر پوری دنیا کا اقتصاد گرش کر رہا ہے ، اسی لئے وہ کہ کوئی ان کی اس قوت اور قدرت کے آڑے نہ آئے وہ دوسرے قوموں خصوصاً مسلمانوں کو آپس میں مختلف طرح کے بہانوں سے لڑواتے رہتے ہیں ، کیونکہ اگر وہ لڑتے ہی رہیں گے تو کبھی ان کے مقابلے میں کھڑے نہ ہو سکیں گے اور دنیا پر ان کا اک چھتر راج قائم رہے گا۔

تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ تاریخ سے سبق لیں اور آپس کے بیجا اختلافات کو بھلا کر ایک قوم بن کر رہیں اسی سے ان کی شان بھی ہے اور یہی ان کا ایمان بھی ہے کیوں کہ مسلمان وہی ہے جس سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں ''المسلم من سلم المسلمون بیدہ ولسانہ'' ۔

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان دو قبیلوں کے درمیان اختلاف اور یہودیوں کی بالا دستی کو ختم کرنے کے لئے وحی الٰہی سے کچھ قرار داد پیش کیں اور یہ ان قرار دادوں کا ہی نتیجہ تھا کہ کچھ مدت کے بعد وہی مختلف العقیدہ اور ناتوان افراد ایک امت واحد اور طاقت ور قوم کی صورت میں سامنے آئے اور شہر مدینہ جزیرۃ العرب کی بہت بڑی سیاسی اور نظامی چھاونی بن گیا، اور ان کی قدرت و طاقت اس حد تک پہنچ گئی کی ایران و روم کے باشکوہ تخت کو ہلا دیا اور ان کی حکومتوں کا تختہ پلٹ دیا۔

انھیں قرار دادوں میں ایک پیمان اخوت اور برادری تھا جس کو آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان باندھا اور اس کے ذریعہ مہاجرین جو کہ غربت کا احساس کر رہے تھے ان کو اس سے نجات دلائی اور ''اوس و خزرج'' کے دیرینہ کینہ اور فتنہ کو بھی خاموش کر دیا۔

جہاں آپ نے دوسرے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا وہیں ہمیشہ اپنا سایہ بنے رہنے والے وارث نبوت حضرت علی ـ کو اپنا بھائی بنایا اور کہا:

''انت اخی'' تم میرے بھائی ہو۔ (۱۸)

۵۔ رسول اکرم (ص) طبیب تھے :

طبیب دوار بطبه قد....(۱۹)

حضرت علی علیہ السلام ، پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :

''آپ وہ طبیب تھے جو اپنی طبابت کے ساتھ چکر لگا رہا ہو ، اپنے مرہم کو درست کر لیا ہو اور داغنے کے آلات کو تپا لیا ہو .... اپنی دوا کو لئے ہوئے غفلت کے مراکز اور حیرت کے مقامات کی تلاش میں لگا ہوا ہو'' (۲۰)

امیر المومنین ۔نے آپ کو طبیب کے عنوان سے یاد فرمایا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ طبیب دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنے مطب میں بیٹھا رہتا ہے اور اس بات کا انتظار کرتا ہے کہ کوئی مریض آئے تو اس کا علاج کروں ، یعنی اس کا علاج موقوف ہے مریض کے آنے پر ، لیکن اسی کے مقابل میں ایک دوسرا طبیب بھی ہے جو اپنے مطب میں بیٹھا نہیں رہتا ہے بلکہ وہ ڈاکٹری کے تمام آلات کے ساتھ جگہ جگہ گھومتا رہتا ہے ، اور جہاں بھی کوئی مریض مل جاتا ہے وہیں اس کا علاج شروع کر دیتا ہے وہ اس بات کا انتظار نہیں کرتا ہے کہ مریض اس تک آئے بلکہ وہ خود مریض تک پہونچ جاتا ہے ۔ اور امیر المومنین ۔ نے رسول اکرم ص کو اسی صنف کا طبیب کہا ہے جو خود مریض تک جا کر اس کا علاج کرتا ہے ۔

امیر المومنین ۔نے جو آپ کو طبیب سے تشبیہ دی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اس سے مراد طبیب بدنی نہیں ہے جو کہ لوگوں کے لئے نسخہ لکھتا ہے ، بلکہ اس سے مراد طبیب روح و روان اجتماع ہے ، طبیب دوار بطبہ ، مولا بتانا چاہتے ہیں کہ تبلیغ دین میں آپ کی روش ایک طبیب کی بیماروں کے ساتھ جیسی ہے ، ایک طبیب اپنے مریضوں کے ساتھ کیسے پیش آتا ہے ؟ وہ کس طرح سے ان کا علاج کرتا ہے ؟ ۔

طبیب کی مختلف خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے بیماروں کے حال پر رحم کرتا ہے ، اور ان کی ترحم کی نگاہ سے دیکھتا ہے ، اور ہمیشہ ان کا خیر خواہ ہوتا ہے ۔ پھر آپ خود ہی نہج البلاغہ میں ارشاد فرماتے ہیں :

''و انما ینبغی لاهل العصمة و المصنوع الیهم فی السلامة ان یرحموا اهل الذنوب و المعصیة.....'' (۲۱) دیکھو جو لوگ گناہوں سے محفوظ ہیں اور خدا نے ان پر اس سلامتی کا احسان کیا ہے ان کے شایان شان یہی ہے کہ گناہگاروں اور خطاکاروں پر رحم کریں ۔

گناہ گار لائق ترحم ہیں اس کا کیا مطلب ہے ؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو کچھ نہ کہا جائے ؟ کیا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے ؟

یا نہیں اگر مریض لائق ترحم ہے تو اس کو برا بھلا نہ کہا جائے ، اس کو اس کے حال پر نہ چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کا علاج کیا جائے ۔

پیغمبر اسلام کی روش ایک طبیب کی تھی ، لیکن اس طبیب کے جیسی جو فقط اپنے مطب میں نہین بیٹھا رہتا ہے بلکہ خود اپنے مریضون تک پہونچ کر ان کا علاج کرتا ہے ۔ اور پیغمبر اسلام بھی ایک ایسے ہی طبیب تھے وہ اخلاقی اور معنوی مریضوں کی تلاش میں جاتے تھے ، ان کو تلاش کرتے تھے ، اور ان کے مرض کے مطابق ان کا علاج کیا کرتے تھے ۔ پوری زندگی آپ کا یہی ایک کام تھا ۔

طائف کی طرف آپ کا سفر کس لئے تھا ؟ مسجد الحرام میں کبھی اس کے پاس کبھی اس کے پاس جانا ، قرآن کی تلاوت کرنا ، اسلام کی

دعوت دینا یہ سب کس لئے تھا؟ حرام مہینوں میں جب قبائل عرب اپنی جاہلیت والی رسم پر حج کرنے آئے، عرفات میں جمع ہوئے ،آپ ان کے پاس جاتے، ابو لہب بھی آپ کے پیچھے ہوتا ار کہتا: اس کی باتوں کو نہ سنو، یہ میرا بھتیجا ہے، یہ معاذاللہ دروغگو ہے، دیوانہ ہے، ایسا ہے ویسا ہے، لیکن اس کے باجود آپ اپنے کام میں لگے رہے۔ یہ سب کس لئے تھا؟

امیر المومنین ـ فرماتے ہیں : پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روش ایک طبیب کے جیسی تھے لیکن اس طبیب کے جیسی نہیں جو کہ بیٹھ جاتا ہے اب جو آ کر پوچھے اس کا جواب دے دیا اور جس نے سوال نہ کیا اس سے کوئی مطلب نہیں۔

پیغمبر اسلامﷺ اپنی ذمہ داری کو اس سے بہت بلند سمجھتے تھے، اور اسی وجہ سے اپنی طرف سے ہر طرح کو کوشش کرتے تھے کہ پیغام الٰہی لوگوں تک پہونچ جائے لوگ راہ ہدایت پر آجائیں، مطیع پروردگار بن جائیں، شیطان کی عبادت کو چھوڑ دیں۔

روایت میں ہے کہ عیسیٰ مسیح ـ کو دیکھا کہ آپ ایک بدکار عورت کے گھر سے باہر تشریف لائے، لوگوں نے پوچھا: یا روح اللہ آپ یہاں؟ جواب دیا طبیب مریض کے گھر آیا ہے۔

''طبیب دوار بطبہ'' پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روش کے بارے میں امام علی ـ ذکر کرتے ہیں۔

اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روش کیسی تھی؟ آیا آپ کی روش نرمی والی تھی یا خشونت آمیز اور سختی لئے ہوئے؟ آپ لطف اور مہبانی سے پیش آتے تھے یا قوت اور زور کے بل پر عمل کرتے تھے؟

حضرت علی ـ فرماتے ہیں، دونوں طریقہ آپ کی روش میں شامل تھے، لیکن آپ دونوں کے محل کو اچھی طرح سے جانتے تھے، آپ کے پاس رحم بھی تھا اور آلات جراحی بھی یہ خود امیر المومنین ـ کی تعبیر ہے۔ آپ کے ایک ہاتھ میں رحم اور دوسرے میں آلات جراحی تھے، جب ایک زخم کو مرحم سے آہستہ آہستہ علاج کر رہے ہوتے اسی وقت دوسرے ہاتھ میں جراحی کے آلات ہوتے، جہاں مرہم سے کام چلتا وہاں مرحم لگاتے ار جہاں مرحم کام نہ آتا تو ایسی صورت میں اب جب کہ مرحم کام نہیں آرہا ہے تو مریض کو اس کی حالت پر چھوڑ نہیں دیتے تھے بلکہ اگر جسم کے ایک فاسد حصہ کو مرحم کے ذریعہ علاج نہ کیا جاسکے تو اس کو داغ دیا جاتا ہے، یا کاٹ کر نکال دیا جاتا ہے(۲۲)

اسی طرح سے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روش تھی جو نرمی کے ساتھ راہ راست پر آگیا وہ کے ساتھ نرمی والا برتائو کیا، کہ جب فتح مکہ کے بعد آپ مکہ میں تشریف لائے اور اہل مکہ سے پوچھا کہ تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو تو انھوں نے یہی کہا کہ ہم رحم کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتے ہیں تو آپ نے کہا کہ جائو ''انتم الطلقائ'' تم سب آزاد ہو، یعنی تم جب ایسے ہی راہ راست پر آگئے ہو تو اب سختی کی ضرورت نہیں ہے۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پہلے یہی کوشش کی کہ نرمی سے بات بن جائے اور سختی کی نوبت نہ آئے اسی لئے رسالت پر مبعوث ہونے کے بعد کے اولین سالوں میں اور مدینہ ہجرت کے بعد بھی کافی عرصہ تک آپ صرف زبانی تبلیغ کرتے رہے لیکن جب ان سے بات نہ بنی تو حکم جہاد دیا کہ اب یا تو دائرۂ اسلام میں آجائو یا پھر جزیہ دے کر اپنی جان بچالو۔

رسول اسلام ﷺ کی سیرت کے اور بھی بہت سے مختلف پہلوئوں کی طرف مولائے کائنات۔نے نہج البلاغہ میں اشارہ کیا ہے جن کا تذکرہ اس مختصر سے مقالہ میں نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن پھر بھی ہم ان کو مختصراًیہاں پر بیان کر رہے ہیں۔

٦۔رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قاری قرآن:

....یقرأ کتاباً....(٢٣)

امیر المومنین۔فرماتے ہیں کہ آپ کو اس دور مبعوث کیا گیا جب عرب میں کوپڑھنالکھنانہیں جانتا تھا،اور نہ کوئی نبوت اور وحی کاادعا کرنے والا تھا۔

تاریخ عرب کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس دور میں پانچ یازیادہ سے زیادہ سات آدمی ایسے تھے جن کوپڑھنااور لکھنا آتا تھا،ان کے علاوہ باقی سب بے بہرہ اور ان پڑھ تھے، علم وآگہی کا دور دور تک کہیں کوئی پتہ نہ تھا اور پورا عرب جاہلیت کے ہولناک سناٹے میں گم تھا، کوئی نہیں تھا جو کہ چراغ علم وہدایت جلاتا، ایسے دور میں آپ کو ایک کتاب کے ساتھ مبعوث کیا گیا، جو لوگوں کی ہدایت کی علم بردار تھی، اور اسی طرف سورہ جمع کی دوسری آیت بھی اشارہ کر رہی ہے

" هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ "اس خدا نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے جو ان ہی میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے ,ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اگرچہ یہ لوگ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ آیت اس بات کو بیان کر رہی ہے کہ عرب کے اس ماحول میں جب کوئی پڑھنا اور لکھنا نہیں جانتا تھا تب وہ رسول اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات اعلیٰ صفات تھی جو کتاب ہدایت کو ہاتھ میں لے کر ان کو ہدایت وانسانیت کا درس سے رہی تھی، اور کتاب خدا کی تلاوت کر رہی تھی۔

۷۔شجاعت رسول اکرمؐ

اذا احمر الباس ...(٢٤)و کنا اذا احمر الباس اتقینا برسول الله....(٢٥)

''رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ عالم تھا کہ جب جنگ کے شعلہ بھڑک اٹھتے تھے اور لوگ پیچھے ہٹنے لگتے تھے تو آپ اپنے اہلبیت کو آگے بڑھا دیتے تھے اور وہ اپنے کو سپر بنا کر اصحاب کو تلوار اور نیزوں کی گرمی سے محفوظ رکھتے تھے''

اور امیر المومنین۔دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:''جب جنگ شدید ہو جاتی اور جنگ کے شعلہ بھڑکنے لگتے تو ہم لوگ رسول اکرم کی پناہ میں رہا کرتے اور کوئی بھی شخص آپ سے زیادہ دشمن سے قریب نہیں ہوتا تھا''(٢٦)

یہ جملہ اگر کوئی ایسا ویسا شخص کہہ دیتا تو شاید اس کی عظمت اس حد تک نہ ہوتی، لیکن ایک ایسا شخص کہہ رہا ہے کہ جس کی شجاعت کا لوہا پورا عرب مانتا ہے، جس نے خیبر وخندق، حنین وبدر میں وہ عظیم الشان کارنامے انجام دئے کہ کوئی اس کا ثانی نہیں ہے۔ اس کی شجاعت اس منزل پر پہونچی کہ خود رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہا:''ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین''وہ رسول اکرم کے بارے میں کہہ رہا ہے''جنگ کے شعلہ بھڑکنے لگتے

تو ہم لوگ رسول اکرم کی پناہ میں رہا کرتے ''اس سے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حقیقی شجاعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پوری دنیا جس کی شجاعت کا قصیدہ پڑھتی ہے وہ رسول اسلام (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی شجاعت کا قصیدہ پڑھ رہا ہے۔

جناب سید رضی اس کے ضمن میں فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دشمن کا خطرہ بڑھ جاتا تھا اور جنگ کی کاٹ شدید ہو جاتی تھی تو مسلمان میدان میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پناہ تلاش کیا کرتے تھے اور آپ پر نصرت الٰہی کا نزول ہو جایا کرتا تھا، اور مسلمانوں کو امن و آمان حاصل ہو جاتا تھا''۔

یہ نہج البلاغہ میں پائے جانے والے سیرۃ النبوی کے بہت سے پہلوئوں میں سے بعض تھے جن کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اور آخر میں ہم پرورد گار عالم سے دست بدعا ہیں کہ ہم کو پیغمبر اسلامؐ اور اہلبیت اطہار ؑ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرما، اور ان کے وصی برحق اور خلیفہ اول کے نورانی کلمات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی توفیق عنایت فرما اور ان کو دنیا و آخرت میں ہمارا شفیع قرار دے۔ (بشکریہ: شیعہ آرٹیکلز)

حوالہ جات

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۹۷

۲۔ گذشتہ حوالہ، خطبہ ۱۰۹

۳۔ سنن النبی، ص۸۱

۴۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۰

۵۔ سنن النبی، ص۹۵

۶۔ نہج البلاغہ، صبح صالح، خطبہ ۱۹۲

۷۔ سیرہ در سیرہ نبوی، ص۹۶

۸۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۳

۹۔ گذشتہ حوالہ، خطبہ ۱۸۵

۱۰۔ سورہ نجم آیت ۳۔۴

۱۱۔ بحار الانوار، ج ۲۳، ص ۱۰۸، کتاب الامامہ باب ۷ حدیث ۱۱

۱۲۔ تفسیر و شواہد قرآنی در آثار امام خمینی ص ۸۰۔

۱۲۔ تفسیر و شواہد قرآنی در آثار امام خمینی ص۸۱۔

۱۳۔ زندگانی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص۸۷

۱۴۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۳

۱۵۔ گذشتہ حوالہ، خطبہ ۱۹۲

۱۶۔ زندگانی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص۸۱

۱۷۔ نہج البلاغہ خطبہ ۹۶

۱۸۔ زندگانی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ص ۲۷۳

۱۹۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۸

۲۰۔ ترجمہ نہج البلاغہ علامہ جوادی، ص۲۰۹

۲۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۴۰

۲۲۔ نظری دیگر در نہج البلاغہ (شہید مطہری) ص ۷۶، ۷۴

۲۳۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۴

۲۴۔ نہج البلاغہ مکتوب ۹

۲۵۔ گذشتہ حوالہ، مکتوب ۹

۲٦۔ ترجمہ نہج البلاغہ زیر نظر آیتہ اللہ مکارم شیرازی، ص۵۷۵

عصمت پیغمبر پر قرآنی شواہد

از: محمد اصغر عسکری

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم رکن انبیاء کے معصوم ہونے کا عقیدہ ہے۔ طول تاریخ میں ہمیشہ اس موضوع پر گفتگو و بحث ہو تی رہی ہے ۔ اور انسانیت کے ان روشن میناروں اور بشریت کے ان عملی نمونوں میں لوگوں نے ہمیشہ عیب جوئی کی کوشش کی ہے جن لوگوں میں ان بلند و بالا ہستیوں تک پہنچنے کی طاقت اور ہمت نہیں تھی انہوں نے ہمیشہ ان نورانی ستاروں کو بلند و بالامقام سے نیچے لانے کی کوششیں کی ہیں۔

اس بحث کی اہمیت کے لئے فقط یہ جاننا کافی ہے کہ انبیاء کی عصمت کے بغیر دینی عقائد میں ایسی دراڑیں پیدا ہو جائیں گی کہ جن کو کبھی پُر نہیں کیا جا سکتا۔

اگر انبیاء ؑ کو عام لوگوں کی طرح خطا کا رو لغزش کرنے والا جان لیں تو نہ آسمانی کتب پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ خالق و مخلوق کے درمیان کسی موثق واسطے کو ثابت کیا جا سکتا ہے،اورنہ انبیاء کا قول و فعل ہدایت کا ذریعہ بن سکتاہے۔

پس ان ہستیوں کے بارے میں معمولی سا اور ضعیف احتمالِ خطا بھی اسلام کے بنیادی عقائد کو ختم کر سکتا ہے اور اس صورت میں مقصد خلقت فوت ہو جائے گا اور انسان کے اس سفر کمال کو طے نہیں کیا جا سکے گا اور نتیجتاً جہالت وگناہ کی تاریکی اس عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔پس توحیدی ادیان ، آسمانی کتب اور انبیا کی تعلیمات کو ثابت کرنے کے لئے ایسے موثق ذرائع کا ثابت کرنا ضروری ہے جو ہر قسم کی خطاو لغزش سے پاک ہوں تاکہ عبد و معبود کے درمیان اتصال کا سلسلہ قائم ہو سکے یہی وجہ ہے کہ دینی عقائد میں تمام انبیاء اور باالخصوص پیغمبر اکرمؐ کی عصمت کی بحث بہت ضروری اورنہایت اہمیت کی حامل ہے۔

مسئلہ عصمت کو سب سے پہلی مرتبہ شیعہ متکلمین نے بیان کیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آئمہ ؑ کومعصوم ثابت کرنے کے لئے انبیاءؑ کی عصمت کی بحث کی ہے۔ ۱

قرآن میں یہ صفت (عصمت)ملائکہ کے بارے میں ۲اور خود قرآن کے بارے میں بھی استعمال ہوئی ہے۔ ۳

اس مختصر تحریر میں پیغمبر اکرمؐ کی عصمت کے متعلق قرآنی شواھد کو بیان کیا گیا ہے :
ابتدا میں خود عصمت کا معنیٰ واضح کرنا ضروری ہے کہ قرآن میں یہ کلمہ کن کن معانی میں استعمال ہوا ہے لفظ عصمت اپنے تمام مشتقات سمیت تیرہ مرتبہ قرآن میں آیا ہے،اگر چہ لغت میں یہ کلمہ ایک ہی معنٰی میں استعمال ہُوا ہے اور وہ تمسک و پکڑنے کا معنٰی ہے۔۴

سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۲میں ارشاد ہو ا ہے:
''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا''۵
''خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور بکھر نہ جاؤ۔''
کبھی کلمہ عصمت ایسی چیز کہ جو حفاظت والا پہلو رکھتی ہے کے معنی میں بھی استعمال کیا گیا ہے اور اسی لحاظ سے پہاڑوں کی بلندی کو عصمت کہا جاتا ہے۔ لغت عرب میں ایسی رسی جس سے سامان کو باندھا جائے عصام کہتے ہیں کیونکہ اس رسی کی وجہ سے سامان بکھرنے سے بچ جاتا ہے اور محفوظ رہتاہے ۔بحرحال عقائد میں اس کلمے سے مراد خدا کے بعض صالح بندوں کا گناہ اور اشتباہ سے بچنااور محفوظ رہناہے۔
معروف شیعہ متکلم علامہ فاضل مقداد فرماتے ہیں :
عصمت خدا کی طرف سے مکلّف کے لئے ایک ایسالطف ہے کہ جس کے ہوتے ہُوئے اطاعت کو ترک کرنے اور معصیت کو انجام دینے کامحرک ہی پیدا نہیں ہوتا۔البتہ قدرت و اختیار کے ہوتے ہوئے۔ ۶
اور عدلیہ کا نظریہ بھی اسی سے ملتا جلتاہے اگر چہ اشاعرہ نے عصمت کی تعریف میں اطاعت خدا اور معصیت خدا پر قدرت اور عدم قدرت کی بحث کی ہے جو یہاں ہمارا موضوع بحث نہیں ہے۔۷
البتہ موضوع سے متعلق چند نکات کی وضاحت ضروری ہے۔
(۱) پیغمبرؐ کے معصوم ہونے کا مطلب فقط گناہوں کو ترک کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ توایک عام فرد سے بھی ممکن ہے کہ بعض حالات میں وہ گناہ نہ کرے لیکن اس کے اندر گناہ نہ کرنے کاملکہ نہ پایا جائے۔جیسے بلوغ سے پہلے ایک بچہ دنیا سے چلا جائے اور کسی خطا کا مرتکب نہ ہو۔یا ایک ایسا شخص کہ جسے دور افتادہ علاقے میں قید کر دیا جائے اور اس کے لئے گناہ کرنا ممکن ہی نہ ہو۔
لیکن ایسے افراد کے لئے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ملکہ عصمت رکھتے ہیں جس شخص نے ساری زندگی شراب دیکھی تک نہ ہو اور نہ پی ہو اس کے لئے یہ نہیں کہاجا سکتا کہ وہ معصوم ہے بلکہ معصوم سے مراد ایک ایسا فردہے جو طاقتورنفسانی ملکہ رکھتا ہو کہ جو سخت ترین حالات میں بھی جہاں گناہ کے تمام شرائط بھی موجود ہوں تب بھی کوئی خطا ولغزش نہ کرے ایک ایسا ملکہ جو مکمل طور پر گناہ کی خرابیوں سے آگاہی رکھتا ہو اورچونکہ ایسا ملکہ خداوند متعال کی خاص عنایت کے بغیر ممکن نہیں ہوتالہٰذااس کا حقیقی فاعل اگر چہ خدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ فرد معصوم بھی اختیار رکھتا ہے۔ ۸
(۲) عصمت پیغمبرؐ سے مراد دونوں طرح کی عصمت ہے یعنی عصمت علمی بھی اور عصمت عملی بھی کیونکہ فرق ہے عصمت علمی اور عصمت عملی میں ایک عام انسان ممکن ہے اچھے بُرے کاعلم رکھتاہو،اس کے اندراچھائی برائی کی تشخیص دینے کا ملکہ موجود ہو، لیکن اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے کہا

جاسکتاہے کہ عصمت علمی رکھتاہے ،لیکن عصمت عملی نہیں ہے اور اسی طرح ایک اور شخص ممکن ہے اچھے بُرے کاادراک نہ رکھتاہو مگر عمل کے میدان میں سالم ہو اور گناہو ں سے محفوظ ہوتو اس کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ عصمت رکھتا ہے۔۹

(۳) عصمت یا نسبی ہوتی ہے اوریا عصمت مطلق ہوتی ہے۔نسبی سے مراد بعض موارد اور بعض حالات میں معصوم ہونا۔

ممکن ہے ایک فرد بعض گناہوں کی نسبت معصوم ہو اوروہ گناہ انجام نہ دے۔ پیغمبرؑ کی عصمت سے مراد ہر گز عصمت نسبی نہیں ہے بلکہ مطلق عصمت مراد ہے۔ پیغمبرؑ کی عصمت کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں بعض قائل ہیں کہ نبیؑ بعثت سے قبل اوربعد گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو سکتا ہے ۔۱۰

البتہ یہ نظریہ بہت کمزور اور قابل بحث ہے معتزلہ کے بعض اسلاف قائل ہیں کہ بعثت سے پہلے نبیؑ گناہ کبیرہ انجام دے سکتاہے مگر بعد از بعثت ممکن نہیں ہے۔۱۱

بعض دیگر فرقے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کونہ قبل از بعث اورنہ بعداز بعثت جائز سمجھتے ہیں اور قائل ہیں کہ ایسے گناہان صغیرہ جو فقط نفرت کا باعث ہوں نبیؑ کے لئے ان کو انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے ۔اشاعرہ ایسے گناہوں کو جو انجام دینے والے کی پستی کا موجب بنیں جائز نہیں سمجھتے (جیسے چوری کرنا) ایسے گناہ بعثت کے بعد عمداًو سهواًجائز نہیں ہیں۔۱۲

شیعہ اثنا عشریہ کا نکتہ نظریہ ہے کہ ہر قسم کے گناہ کبیرہ وصغیرہ عمداًو سهواًبعثت سے پہلے اوربعثت کے بعد کسی صورت میں جائز نہیں ہیں۔مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے ان اجمالی نظریات جاننے کے بعد اب آیئے دیکھتے ہیں قرآن نے عصمت پیغمبرؑ کے حوالے سے کیاراہنمائی کی ہے؟

قرآن میں عصمت کے بارے میں متعدد آیات موجود ہیں،ان میں سے بعض مرحلہ ابلاغ رسالت کو بیان کرتی ہیں اور بعض پیغمبرؑ کے عصیان و اشتباہ (نعوذ اللہ) پر ناظر ہیں۔ سورہ ص آیت نمبر ۸۲۔۸۳میں خداوند متعال نے قول شیطان کو نقل کیا ہے:

"فَبِعِزَّتِكَ لَأُ غْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَO إِلَّاعِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ"

''شیطان نے کہا تیری عزت کی قسم میں سب انسانوں‌کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص بندے ''

اس آیت میں لفظ مخلَص آیا ہے تو سب سے پہلے مخلِص اور مخلَص کا فرق واضح ہونا چاہیے مخلِص باب افعال کا اسم فاعل ہے، اخلاص مصدر سے۔مُخلِص ایسے فرد کو یا ایسی چیز کو کہا جاتا ہے کہ جس نے اپنے عمل اور عقیدے کو خدا پر ایمان کے راستے میں خالص کر دیا ہو۔اور مخلَص باب افعال کا اسم مفعول ہے یعنی ایسا فرد یا چیز جس کو کسی اور نے خالص کیا ہو۔

لہٰذا مخلَصین یعنی ایسے افراد کہ خدا کی مدد و لطف سے جن کا سراپا وجود خدا کیلئے خالص ہو جائے لہٰذا شیطان ہر گز ان پر مسلط نہیں ہو سکتا ۔دعائے ندبہ میں بھی خدا کے اولیاء کے لیے یہی تعبیر آئی ہے۔

"اولئك الّذين اسْتَخْلَصْتهُمْ لِنفسكَ ودِينكَ"

''تیرے وہ اولیاء جن کو تو نے اپنے لیے اور تیرے دین کے لیے خالص کیا ہے''

اس آیت میں کلمہ مخلص کا سب سے بڑا مصداق معصوم ہے اگر چہ یہ معصوم سے مختص نہیں ہے یہ تعبیر اگر چہ نبیؑ سے مختص نہیں ہے مگر اس میں بھی کسی قسم کاشک وشبہ نہیں ہے کہ ا س کا مظہرِکامل نبیؑ ہیں کہ جو ہر گز نفس اور شیطان کی پیروی نہیں کرتے ان مذکورہ دو آیتوں کے مشابہہ ایک اورآیت بھی ہے سورہ حجر آیت نمبر ۴۲میں ارشاد ہُوا:

"إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ"

خدا نے شیطان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

'' توہر گز میرے بندوں پر تسلط نہیں رکھ سکے گا ''

قرآن کی بعض دیگر آیات میں ان مخلصین کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ عبادی یا عبادنا سے مراد کون ہیں ؟ان آیات میں انبیاء میں سے چند نبیوں کا نام لیا گیا ہے۔ سورہ یوسف آیت نمبر ۲۴میں حضرت یوسفؑ کو مخلص کہا گیا ہے سورہ مریم۵۱میں حضرت موسیٰؑ کے بارے میں یہی تعبیر آئی ہے۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خصوصیت کسی ایک نبیؑ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ مقام و منصب نبوتؑ کا لازمہ ہے۔ قرآن کی بعض دیگر آیات میں پیغمبر اکرمؐ کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔اور وہ پیغمبرؐ کی عصمت پر شاھد ہے ۔جیسے

"أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" ۱۳

''اطاعت کرو اللہ کی رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان اِمر ہیں ان کی ''

اسطرح کی دیگر آیات بھی موجود ہیں جن میں پیغمبرؐ کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیاگیا ہے۔ان آیات میں پیغمبر اسلامؐ کی مطلق اطاعت کا حکم دینا ان کے معصوم ہونے پر سب سے بڑا شاھدہے۔کیونکہ یہ آیات پیغمبرؐ کی اطاعتِ مطلقہ کا حکم دیتی ہیں اور جب کسی کی اطاعت کسی خاص وقت اور فعل سے مقیدً نہ ہو تو اس کا ہر قول و فعل قابل اطاعت ہوگااور اس کے ہر قول وفعل کا قابل اطاعت ہونا دلیل ہے کہ وہ ہر قسم کی خطاء سے پاک ہے کیونکہ اگر فرض کریں پیغمبرؐ خطا اورگناہ کرنے والے ہوتےتو محال ہے، خدا ان کی اطاعت کاحکم دے پس معلوم ہوا پیغمبرؐ کے اعمال وکردار خدا کے دستور کے مطابق ہوتے ہیں۔ بہرحال قرآن کی بہت سی آیات پیغمبرؐ کو معصوم اور قابل اطاعت جانتی ہیں بعض آیات پیغمبرؐ کے درست تلقیِ وحی پر ناظر ہیں اور بعض مقام ابلاغ رسالت میں عصمت پر دلیل ہیں۔

سورہ جن کی آیت نمبر۲۶۔۲۸میں ارشاد ہُوا :

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۔إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ۔لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ۔"

یعنی ''وہ غیب کا جاننے والاہے اور اپنے غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو وہ اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے تا کہ اسے علم ہو جا ئے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچائے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اللہ نے احاط کر رکھا ہے اور اس نے ہرچیز کو شمار کر رکھا ہے ''

اس آیت میں(ارتضیٰ) اور(یسلك) کا فاعل خدا و ند متعال ہے۔ (من بین یدیه و من خلفه)یعنی سامنے سے اور پیچھے سے

خدا نے محافظ قائم کیے ہوئے ہیں اس جملے کی تفسیر میں دو احتمال پائے جاتے ہیں پہلا احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ پیغمبرؐ کے قلب مطہرکے اطراف میں خدانے محافظین قائم کیے جو ہر قسم کے عامل تخریب کو روکتے ہیں نہ شیطان اس میں نفوذ کر سکتا ہے اور نہ نسیان آسکتاہے۔اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس جملے سے مراد یہ ہو کہ دریافت وحی کے وقت پیغمبرؐ کی دو حالتیں ہوتی تھیں ایک حالت یہ ہو تی تھی کہ پیغمبرؐ مقام ربوبی کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ من بین یدیہ اسی کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا اس رسالت کو ابلاغ کرتے وقت لوگوں کی طرف رخ کرتے تھے اور مقام ربوبی کی طرف پشت ہو جاتی تھی۔ ومن خلفہ اس دوسری حالت کی طرف اشارہ ہے۔خلاصہ یہ کہ خداوند متعال جب وحی کرتاہے تو ہر طرف سے فرشتوں کو مامور کرتا ہے تاکہ وہ دریافتِ وحی ، حفاظت وحی اور ابلاغِ وحی کے تمام مراحل میں نبیؐ کی حفاظت کریں تاکہ وہ کسی قسم کے اشتباہ و خطا سے دو چار نہ ہوں۔

سورہ نساء آیت نمبر ۱۱۳ میں ارشاد ہو تا ہے۔

''وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُه لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ........''

''اور (اے رسولؐ)اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت آپ کے شاملِ حال نہ ہو تی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا حالانکہ وہ خود کو ہی غلطی میں ڈالتے تھے اوروہ آپ کا تو کو ئی نقصان نہیں کر سکتے اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان باتوں کی تعلیم دی جنہیں آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے ''

مفسرین نے اس آیت کے متعدد شانِ نزول بیان کیے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن پیغمبر گرامی اسلامؐ کے کسی صحابی کی زرہ چوری ہو گئی۔ زرہ والے مالک نے کسی پر چوری کا گمان کیا تو جب چور کو خطرہ محسوس ہونے لگا تو اس نے زرہ کو ایک یہودی کے گھر میں پھینک دیا اور اپنے قبیلے والوں سے کہا کہ پیغمبرؐ کے پاس جائیں اور میری بے گناہی کی گواہی دیں اور بتائیں کہ وہ زرہ ایک یہودی کے گھر میں ہے ۔لوگوں نے یہودی کو چور سمجھ لیا اور جس نے چوری کی تھی اس کو بے قصور ٹھہرانے لگے اس دوران پیغمبرؐ پر وحی نازل ہو ئی ۔خدا نے سارا واقعہ اور حقیقت سے اپنے حبیبؐ کو آگاہ کردیا۔اور پھر یہ آیت نازل ہو ئی اگر خدا کا فضل اور رحمت شامل حال نہ ہو تی تو لوگ خلاف واقِع عمل کر کے رسول کو بہکانے کی کو شش کر رہے تھے (علّمک) سے پتہ چلتا ہے کہ خدا کی طرف سے کتاب وحکمت کے علاوہ بھی تعلیم کے لیے رسول خداؐ کے پاس خصوصی ذرائع موجود تھے جن کی وجہ سے رسول خداؐ علم ومعرفت اور کشفِ حقائق کی اس منزل پر فائز تھے کہ جن کے بعد خلاف عصمت کسی غلطی کے سر زد ہو نے کا امکان نہیں رہتا چنانچہ علم ویقین کا نیتجہ عصمت ہے ،البتہ علم ویقین حاصل ہونے کے بعد عصمت قائم رکھنے پر مجبور بھی نہیں ہو تے بلکہ یہاں عزم و ارادہ نفس کی پاکیزگی اور محبت الٰہی کی وجہ سے اپنے اختیار سے عصمت پر قائم رہتے ہیں ،اسی وجہ سے معصوم کی عصمت اس کے لیے باعث فضیلت ہے۔

سورہ الحاقہ آیات ۴۴تا۴۷ میں فرمایا :''وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ......''

''اگر وہ (نبی) تھوڑی سی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر تے تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر اس کی شہ رگ کا ٹ دیتے ،پھر تم میں سے کو ئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا ''

سورہ یونس میں ارشاد ہو ا:

''وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآئَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْبَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰىٓ اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ''

''اورجب انہیں ہماری آیات کھول کر سنائی جاتی ہیں تو جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو کہہ دیجیے مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے ،میں اپنے رب کی نافرمانی کی صورت میں بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ''

مخالفین عصمت پیغمبر اسلام نے چند آیات قرآنی کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے آیئے ان آیات میں غورو فکر کرتے ہیں او ر دیکھتے ہیں کیا یہ آیات پیامبر اسلامؐ کی عصمت کے خلاف کو ئی شاہد بن سکتی ہیں یا نہیں ؟خداوند متعال نے سورہ ضحیٰ میں فرمایا ہے :

''وَوَجَدَكَ ضَآلًا فَهَدٰى''

اس آیت میں خدا نے پیغمبر اکرمؐ کو ایک فرِد ضال کہا ہے اور یہ پیغمبرؐ کی جوانی اور بعثت سے پہلے کے بارے میں فرما یا :

''اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى وَوَجَدَكَ ضَآلًا فَهَدٰى وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى''

''اے رسولؐ کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پا یا پھر پناہ دی اور اس نے آپ کو ضال (ناواقف) پایا تو راستہ دکھایا ''

استدلال کرنے والوں نے ضال کا معنٰی گمراہ کیا ہے اور کہا ہے کہ ضال کو ھدیٰ کے مقابلے میں لا یا گیا ہے جو دلیل ہے کہ اس ضال سے مراد گمراہی ہے اور گمراہی یعنی دینی امور میں گمراہی جو کہ عصمت سے منافات رکھتی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ضال لغت عربی میں تین معانی میں استعمال ہو تا ہے ،گمراہ گمنام اور گمشدہ اگر ضال بمعنی گمراہ ہو جیسا کہ استدلال کرنے والوں نے یہی معنی مراد لیا ہے اور سورہ فاتحہ کی اس آیت کو بھی شاہد کے طور پر پیش کیا ہے کہ

'غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ''؛تو اس کا جواب یہ ہے کہ ضال کے دو استعمال ہیں:

(۱)تاریکی دل جو کفر وشرک یاگناہوں کی وجہ سے پیدا ہو تی ہے۔

(۲)فاقد ہدایت عدمی ہے جیسے ایک بچہ جس کی زندگی کی ابھی چند بہاریں گذری ہوں وہ فاقد ہدایت ہوتا ہے ،اور زندگی کے اس حصے میں فاقد ھدایت ہو نا کو ئی برائی نہیں ہے اور اس آیت میں ضال اس معنٰی میں ہے ،نہ کہ وہ گمراہی جو دل کی سیاہی کا نیتجہ ہو ،اور اس مطلب پر شاہد یہ ہے کہ ان آیات میں خداوند متعال نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو اس نے

اپنے حبیب کو عطا کی ہیں ،فرمایا تم بچپن میں یتیم ہو گئے تھے ہم نے تمھیں پناہ دی یعنی ؛عبد المطلب اور ابو طالب کے ذریعے تمہاری پرورش کی اور زندگی کی ابتدا میں تم فاقد ھدایت تھے کیونکہ کوئی بھی موجود بالذات کمالات کا حامل نہیں ہو تا بلکہ جو بھی وہ کمال حاصل کر تا ہے وہ خدا سے لیتا ہے اور اگر خدا کالطف نہ ہو تا تو کوئی بھی انسان راہ ہدایت کو نہ پہنچتا اسی مطلب کو خدا نے قرآن میں بیان کیا ہے۔

''رَبُّنَا الَّذِیۡ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ''القرآن ،(طہ آیت نمبر ۵۰)

''ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی ''

لہٰذا خدا وند متعال نے ابتدا سے ہی ہر موجود کی ہدایت کا اہتمام کیا ہے ،سورہ ضحیٰ کی اس آیت میں ضال سے مراد ایسی ہدایت کا فقدان ہے اور یہ عصمت کے منافی نہیں ہے۔

پس ضلالت سے مراد ابتدائی زندگی میں ہدایت کا فقدان ہے اور فہدیٰ سے مراد تکوین و تشریعی ہدایت ہے دوسری آیت جس کوشاہد کے طور پر پیش کیاجا تا ہے۔شوریٰ آیت ۵۲ ہے ارشادہو ا:

''وَ كَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا كُنۡتَ تَدۡرِىۡ مَا الۡكِتٰبُ وَلَا الۡاِيۡمَانُ وَلٰـكِنۡ جَعَلۡنٰهُ نُوۡرًا نَّهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ''

''اور اسی طرح ہم نے اپنے امر میں سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ ہی ایمان کو جانتے تھے لیکن ہم نے اسے روشنی بنا دیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور آپ تو یقینا سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں ''

مخالفین عصمت نے اس آیت میں 'ماکنت تدری ما الکتب ولا الا یمان 'کو شاہد بنایا ہے کہ پیغمبر گرامی اسلامؐ وحی سے 'قبل فاقدایمان 'تھے اور وحی کے بعد آپ ایمان لا ئے اور جو اپنی زندگی کے کسی حصے میں ایمان نہ رکھتا ہو وہ کیسے معصوم ہو سکتا ہے ؟

اس کا جواب دینے سے پہلے یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس سوچ کے حامل افراد پہلے کو ئی نظریہ قائم کر تے ہیں پھر دلیل کو ڈھونڈتے ہیں ورنہ اس آیت میں اس طرح کی دیگر آیات میں معمولی سے غور وفکر سے بھی آیت کے مطلب کو سمجھا جا سکتا ہے ۔اس کا جواب یہ ہے کہ 'ماکنت تدری 'اور 'ماکان 'کے جملے عرب ایسی جگہ میں استعمال کرتے ہیں جہاں کسی چیز سے اس کے امکان کی نفی کی جائے قرآن نے بھی یہ جملے ایسی ہی جگہ استعمال کیے ہیں شاہد کے طور پر قرآن کی یہ آیات پیش ہیں ،(آل عمران ۱۴۵،آل عمران ۱۶۱ ،توبہ ۱۷)لہٰذا آیت مورد بحث میں بھی حقیقت میں اسی امکان کی نفی ہو تی ہے 'ماکنت تدری ماالکتاب ولا ایمان ' سے مراد یعنی اے رسولؐ اگر ہم آپ پر وحی نازل نہ کرتے تو کتاب سے آگاہی اور ایمان لا نا تیرے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔سورہ ھود آیت نمبر ۴۹ میں بھی 'ماکنت تعلمھا 'اسی مطلب کی طرف اشارہ ہے۔یعنی؛ اگر ہم وحی نہ کرتے تو اے رسولؐ آپ اس کتاب کے بارے میں کچھ نہ بھی نہ جان سکتے۔

پس مخالفین عصمت نے اپنے زعم باطل کی بنیاد پر ان آیا ت کو عصمت پیغمبر اسلامؐ کے منافی جا نا ہے جس کا حقیقت سے

کوئی تعلق نہیں ہے اور واضح ہو گیا کہ یہ آیات کسی حوالے سے بھی رسولِ خداؐ کی عصمت کے منافی نہیں ہیں۔

اگر چہ یہ بحث نامکمل ہے کیونکہ مخالفین عصمت پیغمبرؐ نے اور بھی آیات کو دلیل کے طور پر پیش کیا ہے لیکن یہ موضوع ایک الگ مقالے کا متقاضی ہے لہٰذا یہاں پر بحث نہیں کرتے ۔

اس مقالے کے آخر میں سہو نبیؐ کے بارے بحث کرنا ضروری ہے تاکہ بحث مکمل ہو جائے اشاعرہ اورمعتزلہ جو پیغمبرؐ کے لیےگناہ صغیرہ کو سھواً جائز سمجھتے ہیں اس مسئلہ میں بھی سھو نبی کے قائل ہیں اور اس سھو سے مراد امور شرعی کی تطبیق میں خطا ہو جیسے نماز کی رکعات میں بھول جانا۔

یا امور شخصی ومادی میں خطا ہو جیسے پیغمبرؐ کسی کا قرضہ دینے میں اشتباہ کریں ۔اشاعرہ اورمعتزلہ سھو کی ان دونوں قسموں کو پیغمبرؐ کے لیے جائز سمجھتے ہیں جب کہ شیعہ امامیہ کا تقریباً اتفاق ہے کہ نبیؐ سھو نہیں کر سکتا۔

شیخ بہائی کو جب کسی نے کہا کہ شیخ صدوق سہو نبیؐ کے قائل ہیں تو انہوں نے خوبصورت جملہ فرمایا :

"سھو ہ فی سھو النبی ﷺ:یعنی شیخ صدوق نے سہو نبی والے مسئلے میں خود سہو کیا ہے۔۱۴

بہرحال علماء شیعہ کی واضح اکثریت جیسے شیخ مفید، شیخ طوسی ،محقق حلی ، علامہ حلی خواجہ نصیر الدین طوسی شہید اول،فاضل مقداد ، شیخ حر عالمی ، علامہ مجلسی،سھو نبی کو جائز نہیں جانتے اور واضح کیا ہے کہ اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس سے لو گوں کا نبی پر اعتماد باقی نہیں رہے گا اور لوگوں کے درمیان نبی کے بارے نفرت پیدا ہو جائے گی اور نبی کا کردار وگفتار قابل عمل نہیں رہیں گے۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاءؑ اور بالخصوص سید الانبیاء پیغمبر گرامی اسلامؐ ان قرآنی آیات کی روشنی میں دریافت وحی ،حفاظت و ابلاغ وحی اور علم و عمل کے تمام مراتب میں معصوم ہیں اور عمداً اور سہواً ہر قسم کی خطا سے پاک ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عقیدۃ الشیعہ ،ص۲۲
۲۔القرآن ،التحریم ،۲
۳۔القرآن، الفصلت، ۴۲
۴۔ مقاییس اللغۃ ،ج ۴،ص۳۳۱،ابو الحسین احمد بن فارس
۵۔القرآن ،آلعمران، ۱۰۲
۶۔ فاضل مقداد ،ارشاد الطالبیین ،ص۳۰۱
۷۔ السید الشریف علی بن محمد جرجانی،شرح المواقف ج۸،ص۲۸۰
۸۔آموزش عقائد ،مصباح یزدی ،درس ۲۴
۹۔جوادی ،آملی ، تفسیر موضوعی قرآن ،ج۹،ص۵
۱۰۔فرقہ حشویہ
۱۱۔ قاضی عبد الجبار معتزلی ،شرح اصول الخمسہ ،ص۵۷۵
۱۲۔ شرح تجوید الا عتقاد ،فاضل قوشجی ،ص۴۶۴
۱۳۔القرآن ، الاحزاب ،۱
۱۴۔الھیات ج ۲،ص۱۸۰،حسن بن محمد مکی

رسول خداؐ اور آداب زندگی

از: گروہ تحریر

رسول اللہؐ کی حیات طیبہ قرآن کی عملی تفسیر ہے اور تمام انسانوں پر واجب ہے کہ وہ آپؐ کے اُسوہٴ حسنہ پر عمل کریں اور آپؐ کی زندگی کو اپنے لئے نمونہ عمل بنائیں۔ رسول اللہؐ نے معاشرت اور زندگی کے جو آداب چھوڑے ہیں وہی ایک حقیقی مسلمان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے اور اُس کی دنیوی اور اُخروی سعادت کا ضامن ہے۔ اس لئے رسول اللہؐ کے آداب سے مؤدب ہونا ہمارا اولین فریضہ ہے اور عشق رسولؐ کی علامت ہے۔ اس مختصر تحریر میں پیغمبر اسلامؐ کی سیرت سے چند آداب قارئین "تبلیغ" کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں۔

ادب کا معنیٰ

علمائے علم لغت نے لفظ ادب کے جو معنی بیان کئے ہیں ان پر غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ در حقیقت ظرافت عمل اور ایسے نیک چال چلن کا نام ادب ہے کہ جس کا سرچشمہ لطافت روح اور طینت کی پاکیزگی ہے۔ اخلاق و آداب ، میں فرق یہ ہے کہ اخلاق میں اچھائی اور برائی دونوں ہوتی ہیں مگر ادب میں حسن عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔(۱)

اپنے مدمقابل کے ساتھ آپؐ کا جو سلوک تھا اس کے اعتبار سے آپؐ کے آداب تین حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں ۔(۲)

1۔ خداوند عالم کے روبرو آپؐ کے آداب

2_ لوگوں کے ساتھ معاشرت کے آداب

3 _ انفرادی اور ذاتی آداب

ان تینوں آداب میں سے ہر ایک کی مختلف قسمیں ہیں جن کو یہاں بیان کیا جائے گا ۔ چنانچہ خدا کے حضور میں اور بارگاہ خداوندی میں رسول خداؐ کی دعائیں بڑے ہی مخصوص آداب کے ساتھ ہوتی تھیں ۔(۳) یہ دعائیں خدا سے آپؐ کے عمیق رابطے کا پتہ دیتی ہیں_اور آپؐ کے اپنے ربّ سے عشق و محبت کی عکاسی کرتی ہیں۔

وقت نماز

نماز آپؐ کی آنکھوں کا نور تھی ،آپؐ نماز کو بہت عزیز رکھتے تھے۔(۴) چنانچہ آپؐ ہر نماز کو وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرتے تھے ، بہت زیادہ نمازیں پڑھتے اور نماز کے وقت اپنے آپؐ کو مکمل طور پر خدا کے سامنے محسوس کرتے تھے ۔(۵) نماز کے وقت آنحضرتؐ کے اہتمام کے متعلق آپؐ کی ایک زوجہ کا بیان ہے کہ "رسول خداؐ ہم سے باتیں کرتے اور

ہم ان سے محو گفتگو ہوتے ، لیکن جب نماز کا وقت آتا تو آپؐ کی ایسی حالت ہو جاتی تھی گویا کہ آپؐ نہ ہم کو پہچان رہے ہیں اور نہ ہم آپؐ کو پہچان رہے ہیں (۶)

منقول ہے کہ آپؐ پورے اشتیاق کے ساتھ نماز کے وقت کا انتظار کرتے اور اسی کی طرف متوجہ رہتے تھے اور جیسے ہی نماز کا وقت آ جاتا آپؐ مؤذن سے فرماتے "اے بلال مجھے اذان نماز کے ذریعہ شاد کر دو" (۷)

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے "نماز مغرب کے وقت آپؐ کسی بھی کام کو نماز پر مقدم نہیں کرتے تھے اور اول وقت ، نماز مغرب ادا کرتے تھے (۸) منقول ہے کہ رسول خداؐ نماز واجب سے دو گنا زیادہ مستحب نمازیں پڑھا کرتے تھے اور واجب روزوں سے دوگنے مستحب روزے رکھتے تھے ۔(۹)

روحانی عروج میں آپؐ کو ایسا حضور قلب حاصل تھا کہ جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، منقول ہے کہ جب رسول خداؐ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تھے تو خوف خدا سے آپؐ کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا اور آپؐ کی بڑی دردناک آواز سنی جاتی تھی(۱۰)

جب آپؐ نماز پڑھتے تھے تو ایسا لگتا تھا کہ جیسے کوئی کپڑا ہے جو زمین پر پڑا ہوا ہے (۱۱) حضرت امام جعفر صادقؑ نے رسول خداؐ کی نماز شب کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا ہے :

"رات کو جب آپؐ سونا چاہتے تھے تو ، ایک برتن میں اپنے سرہانے پانی رکھ دیتے تھے آپؐ مسواک بھی بستر کے نیچے رکھ کر سوتے تھے ،آپؐ اتنا سوتے تھے جتنا خدا چاہتا تھا، جب بیدار ہوتے تو بیٹھ جاتے اور آسمان کی طرف نظر کرکے سورہ آل عمران کی آیات "ان فی خلق السموات والارض الخ" پڑھتے اس کے بعد مسواک کرتے ، وضو فرماتے اور مقام نماز پر پہنچ کر نماز شب میں سے چار رکعت نماز ادا کرتے ، ہر رکعت میں قرأت کے بقدر ، رکوع اور رکوع کے بقدر ، سجدہ فرماتے تھے۔ اس قدر رکوع طولانی کرتے کہ کہا جاتا کہ کب رکوع کو تمام کریں گے اور سجدہ میں جائیں گے اسی طرح انکا سجدہ اتنا طویل ہوتا کہ کہا جاتا کب سر اٹھائیں گے ۔اس کے بعد آپؐ پھر بستر پر تشریف لے جاتے اور اتنا ہی سوتے تھے جتنا خدا چاہتا تھا۔اس کے بعد پھر بیدار ہوتے اور بیٹھ جاتے ، نگاہیں اسمان کی طرف اٹھا کر انہیں آیتوں کی تلاوت فرماتے پھر مسواک کرتے ، وضو فرماتے ، مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز شب میں سے پھر چار رکعت نماز پڑھتے یہ نماز بھی اسی انداز سے ادا ہوتی جس انداز سے اس سے پہلے چار رکعت ادا ہوئی تھی ، پھر تھوڑی دیر سونے کے بعد بیدار ہوتے اور آسمان کی طرف نگاہ کرکے انہیں آیتوں کی تلاوت فرماتے ، مسواک اور وضو سے فارغ ہو کر تین رکعت نماز شفع و وتر اور دو رکعت نماز نافلہ صبح پڑھتے پھر نماز صبح ادا کرنے کیلئے مسجد میں تشریف لے جاتے "(۱۲)

آنحضرت نے ابوذرؓ سے ایک گفتگو کے ذیل میں نماز کی اس کوشش اور ادائیگی کے فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "اے ابوذر میری آنکھوں کا نور خدا نے نماز میں رکھا ہے اوراس نے جس طرح کھانے کو بھوکے کیلئے اور پانی کو پیاسے کیلئے محبوب قرار دیا ہے اسی طرح نماز کو میرے لئے محبوب قرار دیا ہے ، بھوکا کھانا کھانے کے بعد سیر اور پیاسا پانی پینے کے بعد سیراب ہو جاتا ہے لیکن میں نماز پڑھنے سے سیراب نہیں ہوتا" (۱۳)

دعا کے وقت تسبیح و تقدیس

آپ کے شب و روز کا زیادہ تر حصہ دعا و مناجات میں گذر جاتا تھا۔آپ ؐ سے بہت ساری دعائیں نقل ہوئی ہیں آپ کی دعائیں خداوند عالم کی تسبیح و تقدیس سے مزین ہیں ، آپ نے توحید کا سبق، معارف الٰہی کی گہرائی، خود شناسی اور خودسازی کے تعمیری اور تخلیقی علوم ان دعاؤں میں بیان فرما دیئے ہیں ان دعاؤں میں سے ایک دعا وہ بھی ہے کہ جب آپ ؐ کی خدمت میں کھانا لایا جاتا تھا تو آپؐ پڑھا کرتے تھے :

"سبحانك اللهم ما احسن ما تبتلينا سبحانك اللهم ما اكثر ما تعطينا سبحانك اللهم ما اكثر ما تعافينا اللهم اوسع علينا وعلى فقراء المومنين" (۱۴)

یعنی ؛خدایا تو منزہ ہے تو کتنی اچھی طرح ہم کو آزماتا ہے ، خدایا تو پاکیزہ ہے تو ہم پر کتنی زیادہ بخشش کرتا ہے ، خدا یا تو پاکیزہ ہے تو ہم سے کس قدر درگذر کرتا ہے ، پالنے والے ہم کو اور حاجتمند مؤمنین کو فراخی عطا فرما۔

بارگاہ الٰہی میں تضرع اور نیاز مندی کا اظہار

آنحضرتؐ خدا کی عظمت و جلالت سے واقف تھے، لہٰذا جب تک دعا کرتے رہتے تھے اس وقت تک اپنے اوپر تضرع اور نیاز مندی کی حالت طاری رکھتے تھے ، سیدالشہداء امام حسینؑ رسول خداؐ کی دعا کے آداب کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :

"كان رسول الله ﷺ يرفع يديه اذ ابتهل و دعا كما يستطعم المسكين " (۱۵)

رسول خداؐ بارگاہ خدا میں تضرع اور دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو اس طرح بلند کرتے تھے جیسے کوئی نادار کھانا مانگ رہا ہو۔

لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت

رسول اکرمؐ کی نمایاں خصوصیتوں میں سے ایک خصوصیت لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت ہے ، آپ تربیت الٰہی سے مالامال تھے اس بنا پر معاشرت ، نشست و برخاست میں لوگوں کے ساتھ ایسے ادب سے پیش آتے تھے کہ سخت ترین مخالف کو بھی شرمندہ کر دیتے تھے اور نصیحت حاصل کرنے والے مؤمنین کی فضیلت میں اضافہ ہو جاتا تھا۔

آپ کی معاشرت کے آداب، اخلاق کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں ۔ہم اس مختصر تحریر میں چند آداب کو بیان کر رہے ہیں ۔جو یقیناً ہمارے لئے رسول خداؐ کے ادب سے آراستہ ہونے کا سبب بنیں گے۔

گفتگو کے آداب

ہر کسی سے بات کرتے وقت کشادہ روئی اور مہربانی کو ظاہر کرنے والا تبسم آپ کے کلام کو شیریں اور دل نشیں بنا دیتا تھا روایت میں ہے کہ :

"كان رسول الله اذا حدث بحديث تبسم في حديثه" (۱۶) یعنی ؛بات کرتے وقت رسول اکرمؐ تبسم فرماتے تھے ۔

ظاہر ہے کہ کشادہ روئی سے باتیں کرنے سے ہر ایک کو اس بات کا موقع ملتا تھا کہ وہ آپ ؐ کی عظمت و منزلت سے مرعوب ہوئے بغیر نہایت اطمینان کے ساتھ آپؐ سے گفتگو کرے ، اپنے ضمیر کی آواز کو کھل کر بیان کرے اور اپنی حاجت و دل کی بات آپؐ کے سامنے پیش کرے ۔

سامنے والے کی بات کو آپ ؐ کبھی منقطع نہیں کرتے تھے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی آپ ؐ سے گفتگو کا آغاز کرے تو آپ ؐ پہلے ہی اسکو خاموش کر دیں (۱۷)

مزاح کے آداب

مؤمنین کا دل خوش کرنے کیلئے آنخضرتؐ کبھی مزاح بھی فرمایا کرتے تھے ، لیکن تحقیر و تمسخر آمیز، ناحق اور ناپسندیدہ بات آپؐ کی کلام میں نظر نہیں آتی تھی۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں :

" ما من مؤمن الا وفیه دعابة و کان رسول الله یدعب و لا یقول الاحقا" (۱۸)

یعنی ؛" کوئی مؤمن ایسا نہیں ہے جس میں حس مزاح نہ ہو، رسول خداؐ مزاح فرماتے تھے اور حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتے تھے "۔

آپ کے مزاح کے کچھ نمونے یہاں نقل کئے جاتے ہیں :

"قالﷺ لاحدلا تنس یاذاالاذنین " (۱۹) یعنی؛پیغمبر خداؐ نے ایک شخص سے فرمایا: اے دو کان والے فراموش نہ کر۔

انصار کی ایک بوڑھی عورت نے آنخضرتؐ سے عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا فرمادیں کہ میں بھی جنتی ہو جاؤں حضرتؐ نے فرمایا: "بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی"وہ عورت رونے لگی آنخضرتؐ مسکرائے اور فرمایا کیا تم نے خدا کا یہ قول نہیں سنا ؛

"انا انشأناهن انشاءً فجعلنا هن ابكاراً " (۲۰) یعنی ؛ہم نے بہشتی عورتوں کو پیدا کیا اور ان کو باکرہ قرار دیا۔

کلام کی تکرار

رسول خداؐ کی گفتگو کی خصوصیت یہ تھی کہ آپؐ بات کو اچھی طرح سمجھا دیتے تھے۔ابن عباس سے منقول ہے : جب رسول خداؐ کوئی بات کہتے یا آپؐ سے کوئی سوال ہوتا تھا تو تین مرتبہ تکرار فرماتے یہاں تک کہ سوال کرنے والا بخوبی سمجھ جائے اور دوسرے افراد آنخضرتؐ کے قول کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

انس و محبت

پیغمبر خداؐ کو اپنے اصحاب و انصار سے بہت انس و محبت تھی ان کی نشستوں میں شرکت کرتے اور ان سے گفتگو فرماتے تھے آپؐ ان نشستوں میں مخصوص ادب کی رعایت فرماتے تھے۔

حضرت امیر المؤمنین آپ کی شیرین بزم کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ": ہم نے ایسا کبھی نہیں دیکھا گیا کہ پیغمبر خداؐ نے کسی کے سامنے اپنا پاؤں پھیلائے ہوں "(۲۱)

پیغمبرؐ کی بزم کے بارے میں آپ کے ایک صحابی بیان فرماتے ہیں "جب ہم لوگ رسول خداؐ کے پاس آتے تھے تو دائرہ کی صورت میں بیٹھتے تھے "(۲۲)

جلیل القدر صحابی جناب ابوذرؓ بیان کرتے ہیں "رسول خداؐ جب اپنے اصحاب کے درمیان بیٹھتے تھے تو کسی انجانے آدمی کو یہ نہیں معلوم ہوسکتا تھا کہ پیغمبرؐ کون ہیں، آخرکار اسے پوچھنا پڑتا تھا ہم لوگوں نے حضورؐ سے یہ درخواست کی کہ آپ ایسی جگہ بیٹھیں کہ اگر کوئی اجنبی آدمی آ جائے تو آپؐ کو پہچان لے ، اسکے بعد ہم لوگوں نے مٹی کا ایک چبوترہ بنایا آپؐ اس چبوترہ پر تشریف فرما ہوتے تھے اور ہم لوگ آپؐ کے پاس بیٹھتے تھے _(۲۳)

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں : رسول خداؐ جب کسی کے ساتھ بیٹھتے تو جب تک وہ موجود رہتا تھا ،حضرتؐ اپنے لباس اور زینت والی چیزوں کو جسم سے جدا نہیں کرتے تھے (۲۴)

مجموعہ ورام میں روایت کی گئی ہے "پیغمبرؐ کی سنت یہ ہے کہ جب لوگوں کے مجمع میں بات کرو تو ان میں سے ایک ہی فرد کو متوجہ نہ کرو بلکہ سارے افراد پر نظر رکھو(۲۵)

خلاصہ:

۱۔ آنحضرتؐ کے ادب کی قدر و قیمت اس عنوان سے ہے کہ آپ خدا کی بارگاہ کے تربیت یافتہ اور اس کے سکھائے ہوئے ادب سے آراستہ و پیراستہ تھے ۔

۲۔رسول خداؐ نے روزمرہ کی زندگی کے اعمال میں جن طریقوں اور آداب کو اپنایا، وہ ایسے تھے کہ جنہوں نے اعمال کو خوبصورتی لطافت اور حسن عطا کیا اور انہیں اخلاقی قدروں کا حامل بنا دیا۔

۳۔ رسول اللہؐ کی سیرت میں مندرجہ ذیل اوصاف نمایاں طور پر نظر آتے ہیں :

الف: حسن و زیبائی ب: نرمی اور لطافت ج: وقار و متانت

۴۔ مدمقابل کے سامنے جو آپؐ کے آداب تھے ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتاہے :

۱۔ خدا کے بالمقابل آپؐ کے آداب

۲۔لوگوں کی ساتھ معاشرت کے آداب

۳۔فردی اور ذاتی آداب

حوالہ جات

۱۔لغت نامہ دہخدا (مادہ ادب)۔

۲۔ تفسیر المیزان جلد ۲ ص ۱۰۵

۳۔ تفسیر المیزان جلد ۲ ص ۱۰۵

۴۔ اصول کافی جلد ۲ ص ۲۲

۵۔ تفسیر المیزان جلد ۱۲ ص ۲۵۶

۶۔ سنن النبی ص ۲۵۱

۷۔ سنن النبی ص ۲۶۸

۸۔ سنن النبی ص۲۷۷

۹۔ سنن النبی ص۲۳۴

۱۰۔ سنن النبی ص۲۵۱

۱۱۔ سنن النبی ص ۲۶۸

۱۲۔ سنن النبی ص ۲۴۱

۱۳۔ سنن النبی ص ۲۶۹

۱۴۔ اعیان الشیعہ ،ج۱، ص۳۰۶

۱۵۔ سنن النبی ،ص ۳۱۵

۱۶۔ سنن النبی ص۴۸ ،بحارالانوار ج۶ص۲۹۸

۱۷۔ مکارم الاخلاق ص ۲۳

۱۸۔ سنن النبی، ص ۴۹

۱۹۔ بحارالانوار،ج۱۶ ،ص ۲۹۴

۲۰۔سورہ واقعہ آیت ۳۶،۳۵

۲۱۔ مکارم الاخلاق ص ۲۲

۲۲۔ سنن النبی ص ۷۰

۲۳۔ سنن النبی ،ص۶۳

۲۴۔ سنن النبی ،ص۴۸

۲۵۔ سنن النبی ص۴۷

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆